جامعہ مدنیہ لاہور کا ترجمان

علمی دینی اور اصلاحی مجلہ

انوارِ مدینہ لاہور

بیاد

عالمِ ربانی محدثِ کبیر حضرۃ مولانا سید حامد میاں رحمہ اللہ

بانی جامعہ مدنیہ

نگران

مولانا سید رشید میاں مدظلہ

مہتمم جامعہ مدنیہ، لاہور

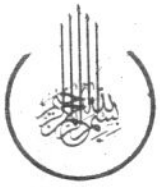

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماہنامہ

انوار مدینہ

جلد : ۱ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ ـ نومبر ۱۹۹۲ء شمارہ : ۲

مدیر

سید محمود میاں

مدرس و نائب مہتمم جامعہ مدنیہ لاہور

بدل اشتراک :

فی پرچہ ۱۰ روپے ○ زرسالانہ ۱۰۰ روپے

رابطہ کے لیے

دفتر ماہنامہ "انوارِ مدینہ" جامعہ مدنیہ لاہور کوڈ ۵۴۰۰۰

فون ۲۰۱۰۸۶ ـ ۲۰۵۳۸۸

دفتر ـ ماھنامہ انوار مدینہ
جامعہ مدنیہ کریم پارک نمبر
لاہور نمبر 2 فون نمبر 1036

اداریہ ——— ۳

دورِ شباب اور جوہری کردار ——— مولانا سید محمد میاں ——— ۵

تاثیرات القرآن ——— شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی ——— ۱۶

نعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ——— خواجہ عزیز الحسن مجذوب ——— ۲۰

حضرۃ سیدنا ابوبکر رضؓ ——— جناب نازش ——— ۲۱

حضرۃ سیّدنا عباس ——— مولانا سید حامد میاں ——— ۲۲

جمہوریت ..... ——— حضرۃ مولانا سیّد محمد میاں ——— ۲۵

دارالافتاء ——— مولانا مفتی عبدالواحد ——— ۳۰

دنیا کی حرص و طمع ——— مولانا محمد ابوبکر غازی پوری ——— ۳۵

فلم ——— سلیمہ بنت حامد بن محمد ——— ۴۵

اتحاد کی برکات ——— ۴۹

سیّد رشید میاں طابع و ناشر نے شرکت پرنٹنگ پریس لاہور سے چھپوا کر
دفتر ماہنامہ انوارِ مدینہ جامعہ مدنیہ لاہور سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الٰہی

ترے نام سے ابتدا کر رہا ہوں

کچھ ہی عرصہ پہلے کی بات ہے کہ راقم السطور (محمود میاں غفرلہٗ) اس سے قریب قریب بے خبر تھا کہ جامعہ مدنیہ کا نظم و نسق کس طرح چلتا ہے۔ اساتذۂ طلبۂ عملہ اور ملازمین کے کیا مسائل ہوتے ہیں۔ ان کی تنخواہیں اور جامعہ کے دیگر کثیر اخراجات کیونکر پورے ہوتے ہیں۔ انوارِ مدینہ کی اشاعت میں کس قسم کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور ان مشکلات پر کیسے قابو پایا جاتا ہے۔ اس کا اداریہ کون لکھتا ہے اور اداریہ لکھنے میں کن امور کو ملحوظ رکھا جاتا ہے مزید برآں گھریلو معاملات و مسائل سے کس طرح نمٹا جاتا ہے۔ غرض میں زمانہ کے گرم و سرد سے بے پروا اپنی زندگیٔ مستعار کے دن بڑے مزے سے گزار رہا تھا۔ ہر فکر سے آزاد۔ ہر بوجھ سے سبکدوش۔

حضرت والد صاحب رحمہ اللہ کا سایۂ عاطفت نصیب تھا۔ ہر پریشانی اور ہر تکلیف کا سلسلہ ان کی ذات تک پہنچ کر تمام ہو جاتا اور ہم مصئون و محفوظ رہ جاتے۔ وہ سب کچھ اپنے پر سہار لیتے تھے۔ اور اکثر و بیشتر تو ہمیں اپنی الجھنوں اور تکلیفوں کی خبر تک بھی نہ ہونے دیتے۔ یوں بھی ان کی عادتِ طیبہ تھی کہ اپنی پریشانی اور دکھ کو اپنی ذات تک ہی محدود رکھنے کی کوشش فرماتے۔ اپنے احباب اور اپنے عزیزوں کو صرف خوشیوں میں ہی

شریک کرتے ، وہ اپنے دُکھ درد کو مخفی رکھنے پر حیرت انگیز حد تک دسترس رکھتے تھے۔ گوناگوں پریشانیوں اور آلام کے انبار میں بھی وہ شگفتہ اور ان کی مجلس باغ و بہار ہی ہوتی۔

بہرحال ان کی ذات ہمارے لیے رُکنِ شدید اور مضبوط ڈھال کی حیثیت رکھتی تھی، بلکہ یوں کہیئے کہ وہ ہمارے لیے ایک سایہ دار درخت کے مانند تھے جس کی ٹھنڈی اور جانفزا چھاؤں تلے ہم فکرِ بیش و کم سے آزاد نہایت خوشگوار زندگی بسر کر رہے تھے۔ دنیا جانتی ہے کہ دنیا کی کوئی نعمت دائمی نہیں ہوتی۔ ہم نے بھی اِس نعمتِ عظمیٰ اور اِس رحمتِ سراپا سے ایک مقررہ وقت تک ہی متمتع ہونا تھا۔ بالآخر وہ وقت آگیا کہ ہم اس مضبوط ڈھال، اس شجرِ سایہ دار، اس رُکنِ شدید اور اِس شفقتِ مجسم سے محروم ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ کا کرمِ خاص دستگیری نہ فرماتا تو نہ جانے اتنے بڑے سانحہ اور اس کے نتیجہ میں پیش آنے والی کئی طرح کی مشکلات و مسائل کے باعث ہمارا کیا حال ہوتا؟

اپنی اِس آپ بیتی کا تذکرہ چھیڑنے سے مقصد قارئینِ انوارِ مدینہ کو یہ بتانا ہے کہ حضرۃ والد ماجدؒ کی رحلت کے بعد بہت سی دوسری ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ حال ہی میں انوارِ مدینہ کی ادارت کی ذمہ داری بھی مجھے سونپی گئی ہے۔ مَیں قلم و قرطاس کے میدان کا نو وارد اور صحافت کے پیچ و خم سے قطعاً نابلد ہوں۔ لہٰذا قارئین کرام میری ناتجربہ کاری کو ملحوظ رکھتے ہوئے میری املائی، علمی اور ادبی غلطیوں پر چشم پوشی اور اغماض کا معاملہ فرمائیں اور میری خیر خواہی اور اصلاح کی غرض سے مجھے میری غلطیوں سے مطلع فرما کر ممنون فرمائیں۔

مَیں اللہ کے پاک نام سے اپنی اِس نئی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کا آغاز کر رہا ہوں اور اسی کی رحیم و کریم ذات سے امید رکھتا ہوں کہ وہ مجھے میری تمام ذمہ داریوں کو بحسن و خوبی انجام دینے کی توفیق ارزانی فرما کر مجھے سرخرو فرمائیں گے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا و مولانا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین۔

دورِ شباب اور جوہری کردار

حضرۃ شیخ الحدیث مولانا سید محمدؐ میاں رحمہ اللہ کی تصنیف لطیف
سیرۃ مبارکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کے چند اوراق

وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَىٰ[1] (سورۃ والضحیٰ)

اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو پایا نادار پس مالدار بنادیا۔

نوخیز و نوجوان محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) گلہ بانی سے آگے بڑھ کر میدانِ تجارت میں آئے تو آپ کے تعلقات وسیع ہوئے۔ لوگوں کو آپ کے آزمانے اور پرکھنے کا موقع ملا۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ جن لوگوں نے آپ کو زیادہ قریب سے دیکھا وہی آپ کے سب سے زیادہ گرویدہ ہو گئے اور ایک عجیب بات یہ ہے کہ صرف دس بارہ سال کے عرصہ میں آپ کی غیر معمولی امانت داری، راستبازی اور سچائی نے سب ہی مکہ والوں کو یہاں تک موہ لیا کہ وہ آپ کا نام لینا بے ادبی سمجھنے لگے۔ یہی مکہ کے بڑے بڑے تاجر اور سیٹھ جن کو اپنی دولت پر ناز تھا۔ جن کو اپنے بین الاقوامی تعلقات پر فخر تھا کہ اُن کے تجارتی قافلے شام، یمن، فارس وغیرہ جاتے رہتے ہیں۔ افریقہ کے بازاروں میں اُن کا لین دین رہتا ہے۔ ان ملکوں کے امیروں اور بادشاہوں سے اُن کی راہ و رسم ہے، ان سے اپنی بات منوا سکتے ہیں۔ یہی رؤسائے قریش جو اپنے سوا کسی کو نظر میں نہیں لاتے تھے جو دوسروں کی گردنیں اپنے سامنے جھکوانا چاہتے تھے، جن کے مشاعروں

---

[1] اور پایا تجھ کو مفلس پھر محفوظ کر دیا (حضرت شاہ عبدالقادر صاحب)

کی جان اُن کے وُہ فخریہ قصیدے ہوا کرتے تھے جن میں وہ اپنی عظمت اور بڑائی کے ترانے گاتے اور کوئی اُن کی توڑ کرتا تھا تو لڑ پڑتے تھے۔ یہاں تک کہ خونریز جنگ کی نوبت آجاتی تھی۔ دنیا جانتی ہے اور تاریخ شاہد ہے کہ "یتیم عبداللہ" کی غیر معمولی سچائی اور امانت داری نے ان سیٹھوں اور رئیسوں کو یہاں تک متأثر اور گرویدہ بنا دیا تھا کہ وہ آپ کو "الصّادق" یا "الامین" ہی کہتے تھے۔ نام لینا بے ادبی سمجھتے تھے۔ یہ دو لفظ یہاں تک زبانوں پر چڑھ گئے کہ انہوں نے قومی لقب کی حیثیت اختیار کر لی تھی۔

مؤرخ حیران رہ جاتا ہے کہ وہ کردار اور وہ کیرکٹر کس درجہ بلند ہوگا جس نے تیس بتیس سال کی عمر کے نوجوان کو اتنا اُونچا اٹھا دیا کہ بڑے بڑے لوگوں کی گردنیں اس کی صداقت و امانت کے سامنے جُھک گئیں۔ ممکن ہے خاندانی رقابت کے سبب سے کچھ لوگ اس خطاب کو پسند نہ کرتے ہوں لیکن وہ مجبور تھے کہ آپ کو اس خطاب سے یاد کریں کیونکہ کوئی ایسی بات یا کوئی ایسا بہانہ[1] ان کو نہیں ملتا تھا کہ وہ تردید کر سکیں اور عوام کے جذبات کا مقابلہ کر سکیں۔

تاریخ کی یہ پرانی عادت بہت ہی تکلیف دہ اور مایوس کن ہے کہ کسی شخص کے واقعات قلمبند کرنے کے لیے وہ اسی وقت قلم اٹھاتی ہے جب وہ شخص تاریخی انسان بن چکتا ہے اس سے پہلے اس کے قلم کو جنبش نہیں ہوتی۔ اُس نے محمدؐ رسُول اللہ کے بارے میں بھی اسی بخل سے کام لیا اور ان تمام واقعات سے دامن سمیٹے رکھا جو نبوّت سے پہلے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی روزمرہ کی زندگی میں پیش آتے رہے، جو قریش کے گردن درازوں کو متأثر کرتے رہے۔ تب بھی چند واقعات ایسے ہیں جو کسی طرح تاریخ کے سکڑے ہوئے دامن میں پڑ گئے اور تاریخ نے ان کو صحیح سندوں کے ساتھ محفوظ رکھا۔ قیاس کرنے کے لیے یہ واقعات ہی کافی ہیں اور ان سے قبل نبوت کی زندگی روشنی میں آجاتی ہے۔

عبداللہ بن ابی الحمساء عامری ایک معمولی آدمی تھا اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ

---

[1] ان رقیبوں کے لیے دعویٰ نبوت بہانہ تھا۔ جیسے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نبوت کا اعلان کیا ان لوگوں نے آسمان سر پر اٹھا لیا اور آپ کے خلاف اتنی فضا گرم کر دی کہ اپنے بھی پرائے بن گئے اور سرگرم حامی بھی جھجکنے لگے۔ تفصیل آگے آئے گی (انشاء اللہ)

اس کا یہ معاملہ نہ ہوا ہوتا جو یہاں ذکر کیا جا رہا ہے تو دنیا نہ اس کو پہچانتی اور نہ پہچاننے کی ضرورت محسوس کرتی۔

یہ عبداللہ حضرت محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کوئی سودا کر رہا تھا۔ بات چیت کرتے ہوئے اسے کوئی کام یاد آگیا۔ اس نے حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کہا۔ آپ ٹھہریئے میں ابھی آتا ہوں۔ تب بات کروں گا۔ آپ کی زبان سے نکل گیا۔ "اچھا"۔

اب بات کی پختگی اور زبان کی پابندی ملاحظہ فرمائیے۔

عبداللہ بن ابی الحمساء یہاں سے چلا تو اس کو کوئی اور ضرورت پیش آگئی وہ اس میں ایسا لگا کہ اس کو اپنے وعدہ کا خیال بھی نہیں رہا۔ یہ دن یونہی گزر گیا۔ پھر اگلا دن بھی گزر گیا تیسرے دن اسے خیال آیا کہ میں "محمدؐ بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے معاملہ کر رہا تھا۔ بات یہاں تک پہنچ چکی تھی۔ میں اُن کو ٹھیرا کر آیا تھا۔ اب چل کر بات پوری کر لینی چاہیئے۔ چنانچہ عبداللہ بن ابی الحمساء آپ کے مکان پر پہنچا۔ معلوم ہوا کہ دو روز گزر گئے آج تیسرا دن ہے وہ مکان پر نہیں آئے۔ گھر والے خود پریشان ہیں" عبداللہ بن ابی الحمساء یہاں سے روانہ ہوا جہاں جہاں خیال تھا سب جگہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تلاش کیا۔ کہیں نہ ملے تو احتیاطاً اس جگہ بھی پہنچا جہاں بات چیت ہو رہی تھی اور وہ آپ کو وہاں ٹھیرا کر آیا تھا۔

عبداللہ بن ابی الحمساء اس مقام پر پہنچا تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ "محمدؐ بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) وہیں موجود ہیں اور عبداللہ بن ابی الحمساء کا انتظار کر رہے ہیں اور زیادہ حیرت اس کو اس بات پر ہوئی کہ مسلسل تین دن انتظار کی زحمت اٹھانے کے بعد بھی جب عبداللہ بن ابی الحمساء سامنے آئے تو نہ لڑائی جھگڑا تھا نہ ڈانٹ ڈپٹ۔ کہا تو صرف اتنا کہا[1] اور وہ بھی دھیمی آواز سے یا فتی لقد شققت علیّ۔ انا ھھنا منذ

---

[1] کہہ سکتے ہیں کہ وعدہ کی یہ صداقت اور پختگی وہ متبرک ترکہ تھا جو آپ کو اپنے جدِ اعلیٰ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے ملا تھا۔ سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام سے بھی ایک شخص نے کہا تھا کہ آپ یہاں ٹھہریں میں ابھی آتا ہوں وہ اپنے کام میں لگ کر بھول گیا اور حضرت اسمٰعیلؑ وعدہ کی پابندی کی بناء پر وہیں ٹھیرے رہے۔ دوسرے تیسرے دن جب اس کو یاد آیا اور وہاں پہنچا تو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اسی جگہ انتظار کر رہے تھے۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام

(باقی برصفحہ آئندہ)

ثلاث انتظرك[1] ۔ (اے صاحب! آپ نے پریشان کر دیا ۔ تین دن ہو گئے ۔ یہاں آپ کا انتظار کر رہا ہوں)

قیس[2] بن سائب بن عویمر ۔ ایک صحابی تھے ۔ اسی زمانہ میں جب آپ کاروبار کیا کرتے تھے وہ آپ کے شریک اور ساجھی رہے تھے وہ ہمیشہ تعریف کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے : کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شریکی فی الجاھلیۃ فکان خیر شریك لا یداری ولا یماری ۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب نبی نہیں بنائے گئے تھے (زمانہ جاہلیت میں) میرے ساجھی تھے ۔ بس بہت ہی اچھے ساتھی تھے ۔ نہ کبھی سخت بات کہتے تھے نہ جھگڑتے اور بحث کرتے تھے ۔

یہ کاروباری سلسلہ کی باتیں تھیں ۔ اب ہمدردی نوعِ انسان اور احترامِ انسانیت کی ایک مثال مطالعہ فرمائیے جو اس زمانہ میں بھی اپنی نظیر آپ تھی اور تہذیب کی دعویدار موجودہ دنیا بھی اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے ۔

بردہ فروشی عرب میں عام تھی اور بسا اوقات شریف گھرانوں کے بچے بھی اس شکنجہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کا یہ وصف یہاں تک مقبول ہوا کہ وحی الٰہی نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی خصوصیات میں اس کو شمار کرایا ہے ۔ اِنَّہٗ کان صَادِقَ الوعد (سورہ مریم رکوع منشور) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف الگ الگ وحی الٰہی نے شمار نہیں کرائے بلکہ ایک جامع اور مکمل سند یہ دیدی ۔ انك لعلیٰ خلق عظیم ۔ یعنی اخلاق کی مثالیں جو انبیاء علیہم السلام کے تذکرہ میں الگ الگ بیان کی گئیں آپ اُن سب کا مکمل مجموعہ ہیں ۔

[1] ابوداؤد شریف باب فی العدۃ کتاب الادب ۔

[2] علماء حضرت مجاہد کے نام سے واقف ہیں ۔ یہ تفسیر کے امام ہیں تفسیر کلام اللہ کے یہ جلیل القدر امام انہیں حضرت قیس بن سائب رضی اللہ عنہ کے غلام تھے ۔ حضرت قیس رضی اللہ عنہ نے ان کو آزاد کر دیا تھا ۔ انہوں نے حضرت قیس کی عنایتوں اور اپنی آزادی سے یہ فائدہ اٹھایا کہ فن تفسیر کے امام بنے ۔ یہ حضرت مجاہد فرمایا کرتے تھے کہ میرے آقا قیس ہی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ یعنی جو ایسے کمزور ہیں کہ روزہ ان کو تھکا ڈالتا ہے اُن پر فدیہ ادا کرنا لازم ہے (استیعاب) ذکر قیس ۔ یہ حکم اس وقت تھا جب ابتداءً ایام بیض کے روزے فرض تھے یہ آیت انہیں ایام معدودات کے بارہ میں ہے (واللہ اعلم)

میں کس لیے جاتے تھے۔ چنانچہ "قبیلہ بنی القین بن جسر" کے آدمی ایک لڑکے کو پکڑ لائے اور حضرت خدیجہ کے برادر زادے "حکیم بن حزام بن خویلد" کے ہاتھ بیچ دیا۔

حضرت خدیجہ اپنے بھتیجے کے یہاں گئیں تو یہ غلام اُن کو پسند آگیا۔ انہوں نے فرمائش کی اور بھتیجے نے یہ غلام پھوپی کی نذر کر دیا۔ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نظر اس پر پڑی تو اسکی معصوم زندگی اور اس کی مظلومیت سے دِل بے چین ہوگیا۔ آپ نے حضرت خدیجہ سے اس کو خرید لیا۔ پھر بچہ سے اس کے ماں باپ کا نام اور خاندان و قبیلہ کا پتہ دریافت کیا۔ بچّہ ذہین تھا۔ اُس نے برجستہ جواب دیا۔ میرا نام زید۔ میرے والد حارثہ بن شرجیل۔ بن کعب اور والدہ سعدی بنت ثعلبہ ہیں اور قبیلہ طے کے خاندان بنی معن سے ہمارا تعلق ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے باپ کا نام اور پتہ معلوم ہوگیا تو اس کے والد کو خبر پہنچائی۔ والد (حارثہ) خبر پاتے ہی اپنے بھائی کو ساتھ لے کر مکہ آگیا اور دریافت کرتا ہوا حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس پہنچا۔ بچّہ کو دیکھا، چوما پیار کیا۔ گلے لگایا اور شفقتِ پدری کے بموجب یہ چاہا کہ اپنے لختِ جگر۔ نورِ چشم کو ساتھ لے جائے اور حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں کچھ رقم بطور فدیہ پیش کر دے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رقم لینے سے تو انکار کر دیا اور اس کی اجازت دے دی کہ بچّہ کو اپنے ساتھ لے جائیں۔ البتہ یہ فرما دیا کہ خود بچہ سے بھی دریافت کر لیں کہ وہ آپ کے ساتھ جانا چاہتا ہے یا یہاں رہنا چاہتا ہے۔ بچّہ آپ کے یہاں آیا۔ اس کے والد کو اُس زمانہ کے ذرائع اور وسائل کے بموجب خبر دی گئی وہ علاقہ طے سے سفر کر کے یہاں آیا۔ اس میں کچھ دن لگ گئے۔ بچّہ اس عرصہ میں حضرت محمدؐ کی شفقتوں سے اتنا مانوس ہوگیا تھا کہ اس کو آپ سے جُدا ہونا گوارا نہ ہوا۔ آخر میں باپ اور چچا نے چبھتی ہوئی بات کہی۔ بیٹا تم یہاں غلام ہو، غلام رہنا پسند کرتے ہو۔ باپ کے ساتھ آزاد رہنا پسند نہیں کرتے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اب تک باپ بیٹے کی گفتگو میں دخل نہیں دیا تھا۔ مگر یہ بات ایسی تھی جس کا تعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سلوک اور آپ کے اندازِ فکر سے تھا۔ کیا واقعی زید کو آپ غلام سمجھتے ہیں۔ زید کو غلام کی حیثیت سے رکھنا چاہتے ہیں۔ کیا

آپؐ کسی آزاد بچہ کے لیے غلامی پسند کرتے ہیں۔ چنانچہ آپؐ نے فوراً باپ بیٹے کی گفتگو میں مداخلت کرتے ہوئے فرمایا۔ غلام نہیں۔ بیٹا۔ زید میرے پاس رہے گا تو بیٹا بن کر۔ میں تمہارے سامنے یہ کہتا ہوں اور تمہیں اس سے اطمینان نہ ہو تو چلو۔ مجمع میں یہ اعلان کئے دیتا ہوں چنانچہ آپ، باپ، چچا اور زید کو لے کر ایک چوپال[1] میں پہنچے۔ جہاں قریش کے سردار اور چودھری موجود تھے اور آپ نے اعلان فرمادیا کہ "زید میرا بیٹا ہے" میں اعلان کرتا ہوں آپ لوگ گواہ رہیں[2]۔

حارثہ (زید کے باپ) کی یہ آخری تدبیر تھی زید کو پھسلانے کی جو قطعاً ناکام رہی۔ اب حارثہ کو کہنا پڑا۔ اچھا آپ بیٹا بنا کر رکھتے ہیں تو مجھے بھی عذر نہیں[3]۔

فطرتِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی یہ بلندی بھی نظر انداز نہ ہونی چاہیئے کہ آپ نے عبدِ محمدؐ (محمدؐ کا غلام) کہلانا پسند نہیں کیا۔ آپ نے "ابن محمد" کہلایا اور اسی نسبت سے انکی شہرت ہوتی رہی[4]۔

---

[1] ایک روایت میں یہ ہے کہ کئی جگہ لے گئے۔ جہاں جہاں لوگوں کی نشست ہوا کرتی تھی۔ پھر حرم میں بھی لے گئے جہاں لوگوں کا اجتماع رہتا تھا اور سب جگہ یہ اعلان فرمایا۔ (الاستیعاب)

[2] یہ واقعہ نبوت سے پہلے کا ہے۔ دعویٰ نبوت کے بعد جو لوگ بغیر کہے ہوئے صرف یہ سن کر کہ آپ پر وحی نازل ہوتی ہے اور آپ نبی بنائے گئے ہیں آپ کی نبوت پر ایمان لے آئے اُن میں یہ زید بھی ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جو شفقت زید پر رہی وہ تاریخ کی کھلی ہوئی حقیقت ہے۔ انتہا یہ کہ آپ نے اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے ان کا نکاح کر دیا۔ پھر انہیں زید کے لڑکے "اسامہ" تھے۔ جن پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت کا یہ عالم تھا کہ لوگ ان کو حبِّ رسول اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہیتے) کہا کرتے تھے۔ اپنے کاموں کے لیے ان سے سفارش کرایا کرتے تھے۔ فتح مکہ اور حجۃ الوداع جیسے اہم ترین موقع پر کبھی حضرت فضل بن عباس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد چھوٹے بھائی آپ کی سواری پر آپ کے ساتھ سوار ہوتے تو کبھی یہ اسامہ (رضی اللہ عنہ) اسی انداز کے ساتھ سوار ہوا کرتے تھے۔

[3] الاستیعاب ذکر زید بن حارثہ۔

[4] یہاں تک کہ اس واقعہ سے تقریباً ۳۰ سال بعد آیت نازل ہوئی۔ " ادعوھم لآبائھم (سورہ احزاب) تب زید ابن محمدؐ کے بجائے دوبارہ زید بن حارثہ کہا گیا۔

جب خود آپ کے دادا عبد المطلب کا واقعہ سامنے آتا ہے تو اس فطرت بلند کا حسن اور بھی زیادہ نکھر جاتا ہے۔

آپ کے دادا کا اصل نام شیبہ[1] تھا۔ مطّلب اُن کے چچا کا نام تھا۔ چونکہ شیبہ بچپن میں یتیم[2] ہو گئے تھے اور ان کی پرورش مطّلب نے کی تھی تو اس شکر گزاری میں تمام عمر "عبد المطلب" کہلائے۔

ایک طرف حقیقی چچا۔ اپنے حقیقی بھتیجے کے لیے جو اسی کی طرح آزاد ہے۔ لفظ عبد (غلام) استعمال کرتا ہے اور استعمال کراتا ہے۔ یہاں تک کہ یہی اضافی نام اصل نام کی جگہ لے لیتا ہے۔ دوسری جانب ایک آقا اپنے زر خرید غلام کے لیے بھی "عبد محمد" کہلانا پسند نہیں کرتا۔ بلکہ "ابن محمد" کہلاتا ہے، اسی کو مشہور کراتا ہے اور بیٹے جیسا ہی اُس سے معاملہ رکھتا ہے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا یہی کردار تھا جس نے سردارانِ قریش کی گردنیں اس کی تعظیم کے لیے خم کیں۔ یہاں تک کہ نام لینا بے ادبی سمجھنے لگے اور "الصادق" اور "الامین" کے خطاب آپؐ کے لیے عام ہو گئے۔

آپؐ کے مربّی چچا "ابو طالب" آخر تک مسلمان نہیں ہوئے۔ اپنے باپ دادا کے

---

[1] جب پیدا ہوئے تو سر کے بال سپید تھے اس لیے ان کی والدہ نے ان کا نام شیبہ رکھا۔

[2] والد ہاشم تھے۔ مکہ کے سب سے بڑے سردار نہایت سخی اور دل گردہ کے آدمی تھے۔ والدہ مدینہ کی ایک دولت مند صاحب جائداد با حوصلہ خاتون تھی۔ ہمت مردانہ رکھتی تھی۔ اپنے تمام کاروبار کی نگرانی خود کیا کرتی تھی۔ بیوہ ہو گئیں تو بہت سے بڑے بڑے آدمیوں نے پیغام بھیجا۔ مگر یہ کسی کو نظر میں نہیں لائیں۔ سب کو رد کرتی رہیں۔ ایک مرتبہ "ہاشم" تجارتی قافلہ لیے ہوئے شام سے آرہے تھے۔ مدینہ میں قیام ہوا تو اس عورت کی چستی، دلیری اور ہمت مردانہ کے قصّے سنے اور اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ اپنے تجارتی کام کی نگرانی بڑی ہوش مندی سے وہ خود کر رہی ہے انہوں نے بھی پیغام بھیج دیا۔ اس خاتون نے یہ رشتہ منظور کر لیا۔ نکاح ہو گیا۔ نکاح کے بعد یہ خاتون مکہ میں آئیں۔ ہاشم کے یہاں رہیں۔ پھر یہ اپنے وطن مدینہ گئی تھیں، وہیں ولادت ہوئی اور شیبہ پیدا ہو گئے۔ لیکن انہیں ایام میں ہاشم کا مکہ میں انتقال ہو گیا تو بیوہ مدینہ ہی میں رہنے لگیں۔ شیبہ مدینہ میں ماں کے پاس یتیمی کی زندگی گزار رہے تھے کہ کچھ عرصہ کے بعد ہاشم کے چھوٹے بھائی مطّلب کا مدینہ جانا ہوا اور بھتیجے (شیبہ) کو اپنے ساتھ مکّہ لے آئے۔ جوان ہو گئے تو قریش کے ارباب حل وعقد نے انکو سردار بنا دیا (طبقات ابن سعد وغیرہ)

مذہب پر رہے۔ اسی مذہب پر جان دی۔ مگر بھتیجے کے اخلاق و کمالات اور ہمدردیٔ خلق کا جو جذبہ بھتیجے کی فطرت میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، اس کے یہاں تک گرویدہ تھے کہ بھتیجے کی تعریف میں قصیدے کہا کرتے تھے۔

ایک قصیدہ جس میں تقریباً سو شعر ہیں اس کو ابن ہشام نے نقل کیا ہے جس کا مشہور شعر یہ ہے جس سے حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے فیضِ بے پناہ کا اندازہ ہوتا ہے۔

وابیض یستسقی الغمام بوجہہٖ ثمال[1] الیتامیٰ عصمۃ للارامل

وہ نورانی چہرے والا۔ جس کی ذات اور جس کے چہرے کی برکت سے بادل بھی سیرابی حاصل کرتا ہے۔ یتیموں کا مُربّی۔ بیواؤں کی عزت و آبرو کا محافظ۔

وان فخرت یوماً فان محمّداً ھو المصطفیٰ من سرھا وکریمہا[2]

اور اگر کسی دن (کسی موقع پر) فخر کرنا چاہو تو محمد وہ منتخب شخصیت ہے جس سے کمالات قریش[3] کے مخفی خزانے نمایاں ہوتے ہیں جو پورے قریش میں صاحب کرم اور صاحب شرف ہے۔

نکاح

مکہ کی رہنے والی ایک ادھیڑ عمر کی خاتون (خدیجہ[4])، جس کی عمر چالیس سال سے کم نہیں ہے جو کئی بچوں کی ماں ہے۔ دو[5] مرتبہ بیوہ ہو چکی ہے۔ تیسری مرتبہ شادی کے لیے ایک پچیس سالہ نوجوان سے سلسلہ جنبانی کرتی ہے۔ یہ نوجوان حسب نسب کے

---

[1] الثمال کالغیاث الذی یقوم بامر قومہ، [2] البدایہ والنہایہ ص ۲۵۸ ج ۲ وسیرۃ ابن ہشام ص ۱۷۶ ج ۱، [3] چونکہ پہلے اشعار میں قریش کا ذکر ہے اس لیے یہاں یہ مفہوم لیا گیا۔ اس سیاق کا لحاظ نہ کیا جائے تو مفہوم یہ ہوگا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ شخصیت ہے جس سے کمالات انسانیت کے مخفی خزانے نمایاں ہوتے ہیں جو پوری نوع انسان میں صاحب کرم اور صاحبِ شرف ہے۔

[4] خدیجہ نام تھا۔ طاہرہ لقب۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم جد تھیں۔ قصی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پردادا تھے حضرت خدیجہ کے بھی پردادا تھے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر قصی تک چار پشتیں تھیں۔ عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی اور حضرت خدیجہ سے قصی تک تین پشتیں تھیں خویلد یعنی حضرت خدیجہ کے والد پھر اسد پھر عبدالعزیٰ بن قصی۔ [5] حضرت خدیجہ پہلے ورقہ بن نوفل سے منسوب تھیں مگر کسی

(باقی بر صفحہ آئندہ)

لحاظ سے مکہ کے تمام شریف اور باعزت خاندانوں میں "ننگ" ہے۔ جسمانی صحت بہت عمدہ۔ شکل وصورت بے مثال، اخلاق وعادات میں پورے مکہ کا قیمتی ہیرا۔ اس کے یہاں دولت کے انبار نہیں ہیں مگر کامیاب تجارت میں وہ نام پیدا کر چکا ہے کہ اس کے مقابلہ میں دولت وثروت ایک "پرچھائیں" سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔ بیشک اس بیوہ کے لیے اس رشتہ میں بہت سی دلچسپیاں ہو سکتی ہیں۔ مگر اس پچیس سالہ نوجوان کے لیے دلچسپی کی ایک ایک چیز ختم ہے۔ یہ خاتون دولت مند ضرور ہے لیکن جس خوددار نوجوان نے اپنی زندگی خود بنائی۔ جس نے بچپن میں بھی گوارا نہ کیا کہ اپنا بار دوسروں پر ڈالے۔ کسی خاتون کی دولت وثروت اس کی خودداری اور غیرت کے لیے چیلنج تو ہو سکتی ہے، دل چسپی اور کشش کا باعث نہیں بن سکتی۔ ہاں ایک بہت بڑی دولت اور ہے۔ نیک نفسی، راست بازی، امانتداری، سچائی اور خلق خدا سے ہمدردی۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ذات ستودہ صفات ان اوصاف کا خزانہ تھی اور یہ نیک نفس خاتون جو دنیا کی تمام بہاروں سے آسودہ ہو چکی تھی۔ ان اوصاف کی قدردان تھی۔ یعنی ایک طرف جوہر تھا تو دوسری طرف جوہری۔

قدرِ جوہر شاہ داند یا بداند جوہری

یہی سبب تھا کہ یہ رشتہ جو بظاہر اَن مِل بے جوڑ تھا ایسا مبارک ثابت ہوا کہ خاندان اور کنبہ والے اس پر رشک کیا کرتے تھے۔ خود آپ کی وہ بیویاں جو بعد میں آپ کی حرم بنیں

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ: وجہ سے نکاح نہیں ہوا۔ اس کے بعد ابوہالہ سے نکاح ہوا جن کا نام ہند تھا۔ ابوہالہ کے مرنے کے بعد عتیق بن عائذ سے نکاح کیا۔ لیکن کچھ دنوں بعد وہ بھی انتقال کر گئے (استیعاب واصابہ) ان شوہروں سے اولاد بھی ہوئی۔ ابوہالہ سے جو لڑکا ہوا اس کا نام ہند تھا۔ یہ اپنے سوتیلے باپ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) سے صرف محبت ہی نہیں کرتے تھے بلکہ روئے انور کے عاشق زار تھے انکے سوتیلے بھانجے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما ان سے اپنے نانا (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی باتیں پوچھا کرتے تھے اور یہ بڑے شوق سے مزے لے لے کر بیان کیا کرتے تھے۔ سراپا مقدس حلیہ اور شمائل وعادات کا بڑا حصہ بروایت حضرت حسنؓ وحضرت حسینؓ انہیں ابوہالہ سے نقل کیا گیا ہے۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی حضرت خدیجہ کی تعریفیں سنتی تھیں تو رشک کیا کرتی تھیں۔

رشتہ کا سبب

واقعہ اس طرح پیش آیا کہ "خدیجہ" جب دوسری مرتبہ بیوہ ہو چکیں تو اپنی تجارت کو باقی رکھنے کے لیے انہیں کسی ایسے امانتدار شخص کی ضرورت تھی، جو کاروباری سلیقہ اور تجارتی تجربہ بھی رکھتا ہو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر اگرچہ تقریباً ۲۳ سال تھی مگر آپ کے اوصاف حمیدہ کے چرچے شروع ہو گئے تھے۔ کاروباری سلیقہ کی بھی شہرت ہو چکی تھی اور تجارتی قافلہ کے ساتھ شام جا کر بیرونی تجارت کا بھی آپ کو تجربہ ہو چکا تھا۔ حضرت خدیجہ نے آپ کی یہ شہرتیں سنیں پھر ذاتی طور پر بھی واقفیت حاصل کی تو اپنے وسیع کاروبار کے لیے آپ کو زیادہ سے زیادہ موزوں پایا۔ چنانچہ آپ نے جوان صالح حضرت محمد بن عبداللہ القریشی المکی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پیش کش کی کہ وہ کاروبار کی ذمہ داری سنبھال لیں۔ نفع میں ایک حصہ اُن کا ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پیش کش منظور فرمائی اور مال لے کر شام تشریف لے گئے۔ واپسی کے وقت آپ نے ایسا مال تلاش کیا جس کا مکہ میں فوراً نکاس ہو جائے آپ نے شام سے یہ مال لا کر "مکہ معظمہ" میں فروخت کیا تو نفع بدرجہا زائد ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس کاروباری، دانشمندی، ہوشیاری اور مستعدی نے حضرت خدیجہ کی اُس رائے کی تصدیق کر دی جو وہ اس "ترقی پسند" نوجوان کے متعلق پہلے قائم کر چکی تھیں۔

حضرت خدیجہ نے شام جاتے وقت جب مال سپرد کیا تو خاص اپنے بھروسے کے غلام "میسرہ" کو بھی ساتھ کر دیا تھا۔ بہانہ یہ تھا کہ وہ خدمت کرتے رہیں گے اور مقصد یہ تھا کہ مال کی نگرانی بھی رکھیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طور و اطوار کا بھی گہرا مطالعہ کرتے رہیں۔

سفر شام سے واپسی پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منافع کا مال حضرت خدیجہ کے سپرد کیا۔ اور "میسرہ" نے نہ صرف امانتداری بلکہ آپ کے عام اخلاق کی بھی ایسی تعریف کی کہ خدیجہ جو اپنی زندگی کا یہ آخری دور کسی راست باز کے حوالہ کرنا چاہتی تھیں "دامانِ محمدؐ"

(صلی اللہ علیہ وسلم) میں ان کو گوہر مراد نظر آنے لگا۔ انہوں نے آپ کے خاص احباب اور بزرگوں کے ذریعہ رشتہ کی سلسلہ جنبانی کی۔ جس نے منظوری کا شرف عظیم حاصل کیا اور نکاح ہوگیا۔ نکاح کے بعد تجارت اور کاروبار کی طرف خاص توجہ کا تذکرہ تو نہیں آتا۔ البتہ خدمت قوم، ہمدردی خلق، خداپرستی اور خداترسی کے اوصاف روز افزوں نظر آتے ہیں۔ ادھر خدیجہ جن کے لیے یہی اوصاف باعث کشش تھے ان کی گرویدگی دن بدن بڑھ رہی ہے، یہاں تک کہ حضرت خدیجہ محض خانگی زندگی ہی میں رفیقہ حیات نہیں رہیں بلکہ قومی اور ملّی خدمات میں بھی دا ہنا ہاتھ بنی رہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر تو اُن کا ایک حبّہ بھی کبھی صرف نہیں ہوا۔ البتہ قومی اور ملّی کاموں میں انکی پوری دولت صرف ہوگئی۔ حتیٰ کہ وفات کے وقت وہ اس گھرانہ کی صاحب خانہ (گھرستن) تھیں جس کا فخر اور امتیازی نشان فقر و فاقہ تھا۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے۔ لوگوں نے مجھے امداد سے محروم رکھا۔ خدیجہ نے میری مدد کی۔ لوگوں نے مجھے جھٹلایا۔ مگر خدیجہ نے ہر موقعہ پر میری تصدیق کی اور ہمت بڑھائی۔ [1]

پچیس برس تک حضرت خدیجہ زندہ رہیں۔ چھ بچے ہوئے دو لڑکے جو بچپن ہی میں وفات پاگئے۔ چار لڑکیاں جو زندہ رہیں۔ ان کے نکاح بیاہ بھی ہوئے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے پہلے یہ لڑکیاں بھی وفات پاچکی تھیں۔ صرف ایک صاحبزادی "حضرت فاطمہ" زندہ رہیں جن کے دو لڑکوں (سیدنا حضرت حسن اور سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہما) کی اولاد کو یہ شرف حاصل ہے کہ ان کو سادات کہا جاتا ہے۔

---

[1] البدایۃ والنہایہ صـ ۱۲۹ ج ۲ والاستیعاب وغیرہ۔

تاثیرات القرآن

کچھ حضرت مدنی قدس سرہٗ کی تحریرات سے

مرسلہ
محترم الحاج عبدالکریم صاحب صابرؔ (ڈیرہ اسماعیل خان)

ذیل میں چند مجرب اعمال قرآنی بیان کیے جارہے ہیں جو قطب العالم عارف باللہ مولانا سید حسین احمد مدنی قدس اللہ سرہٗ العزیز کے بیان فرمودہ ہیں۔ امید ہے کہ ناظرین ان گرانمایہ موتیوں سے پورا پورا فائدہ اٹھائیں گے۔ صابرؔ

تنگدستی کا علاج اتباع شریعت اور احیاء سنّت میں کوشاں ہوں۔ جس قدر بھی ممکن ہو اپنے آپ کو ذکر کا عادی بنائیں۔ روزانہ مغرب یا عشاء کے بعد سورۂ مزمّل گیارہ مرتبہ اوّل و آخر درود شریف گیارہ گیارہ مرتبہ پڑھا کریں۔ اور جب فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا پر پہنچیں تو ۲۵ بار حسبنا اللہ و نعم الوکیل پڑھا کریں۔ انشاءاللہ تنگدستی دفع ہو جائے گی۔

قوتِ حافظہ کے لیے : سورۂ فاتحہ ۴۱ بار مع بسم اللہ روزانہ بعد عصر پڑھ کر سینہ پر دم کر لیا کریں۔

اگر ناجائز تعلقات میں پھنسا ہو : ایک صاحب نے شکایت کی کہ ان کا لڑکا ناجائز تعلقات کے پھندے میں پھنسا ہوا ہے۔ اس پر حضرت اقدسؒ نے تحریر فرمایا کہ صاحبزادہ کی اصلاح اور اس خبیثہ سے مفارقت کے لیے مندرجہ ذیل عمل کیجئے۔ کیا عجب ہے کامیابی ہو۔ صبح کی سنتوں اور فرضوں کے درمیان سورۃ فاتحہ ترکیب ذیل سے پڑھی جائے۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی میم "الحمد" کے لام میں مل جائے یعنی اس طرح رَحِيمُ

یہ عمل اتوار کے دن سے شروع کیا جائے اس طرح کہ اتوار کو مذکورہ بالا صورت سے صبح کی سنتوں اور فرض کے درمیان ستّر مرتبہ۔ پیر کے روز ساٹھ مرتبہ اس طرح ہر روز دس دس گھٹاتے رہیں یہاں تک کہ شنبہ کے روز دس مرتبہ پڑھو اول و آخر سات سات مرتبہ درود شریف۔

کند ذہن بچّہ کیلئے عمل : بچہ کے حفظ کے لیے ایک روٹی پر باوضو بروز جمعرات سات جگہ نیچے لکھی ہوئی آیت کو اس طرح لکھا جائے۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الیس اللہ بکاف عبدہ پھر ہر روز نہار منہ ایک ٹکڑا کھلا دیا جائے۔ یہ عمل سات جمعراتوں تک رہے۔

گمشدہ چیز کی بازیابی کے لیے : یاحفیظُ ۱۱۹ مرتبہ پھر آیت یَابُنَیَّ اِنَّھَا اِنْ تَکُ مِثْقَالَ حَبَّۃٍ مِّنْ خَرْدَلٍ (آخر آیت تک) جو سورۂ لقمان میں ہے ۱۱۹ مرتبہ پڑھا کریں۔ انشاء اللہ گمشدہ لڑکی یا کوئی بھی شے ہو واپس آجائے گی۔

بازیابی کے لیے ایک اور عمل : اَمْسَیْتُ فِیْ اَمَانِ اللّٰہِ وَاَصْبَحْتُ فِیْ جَوَارِ اللّٰہِ سوا لاکھ مرتبہ پڑھیں۔

عمل برائے حل مشکلات : یَا بَدِیْعَ الْعَجَائِبِ بِالْخَیْرِ یَا بَدِیْعُ قضائے حاجات مہمہ کے لیے روزانہ بارہ سو مرتبہ پڑھیں۔ اول و آخر درود شریف گیارہ مرتبہ۔ اگر کسی مرض کی شفا مقصود ہو تو بالخیر کی جگہ بالشفاء پڑھیں اور اگر کسی دشمن کو مقہور کرنا ہو تو بالخیر کی جگہ بالقھر پڑھیں۔ بہتر یہ ہے کہ اوّلاً اسم مبارک کی زکوٰۃ دے لی جائے اور اس کا طریقہ یہ ہے نوچندی جمعرات کو نہا دھو کر رات میں عشاء کے بعد سات ہزار مرتبہ پڑھیں اور چالیس دن تک برابر اس کو جاری رکھیں۔ اس کے بعد روزانہ کم از کم ۱۲۵ مرتبہ ہمیشہ بلاناغہ پڑھا کریں۔ انشاء اللہ تمام مشکلات حل ہوتی رہیں گی اور مقاصد پورے ہوتے رہیں گے۔

نماز حاجت : چار رکعت نماز بہ نیت نفل بہ نیت قضاء حاجت جس وقت میں ممکن ہو پڑھا کریں، مگر بہتر ہے کہ شب جمعہ میں پڑھا کریں، پہلی رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد لا الہ الا انت سبحٰنک انی کنت من الظالمین فاستجبنا لہ و نجینا

من الغم وکذلک ننجی المؤمنین ۔ دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد رب انی مسنی الضر وانت ارحم الراحمین ۔ تیسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد افوض امری الی اللہ ان اللہ بصیر بالعباد اور چوتھی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد حسبنا اللہ ونعم الوکیل نعم المولیٰ ونعم النصیر بعد ختم کے سو مرتبہ رب انی مغلوب فانتصر ۔ یہ نماز بہت مفید ہے اس کو عزت کی نگاہ سے دیکھیں اور مقاصد مہمہ میں اس سے استفادہ کریں ۔

دفع وسواس کے لیے : روزانہ سوتے وقت سورۃ الم نشرح ۷۰ مرتبہ پڑھ کر سینہ پر دم کر لیا کریں ۔ نیز پنج وقتہ نماز کے بعد یہی سورۃ سات سات مرتبہ پڑھ کر سینہ پر دم کر لیا کریں ۔ انشاء اللہ فائدہ ہوگا ۔

برائے فراخی رزق : تہجد کے وقت اولاً دو رکعت نماز بہ نیت وسعت رزق پڑھیں پہلی رکعت میں بعد از سورۂ فاتحہ لایلاف ۲۵ مرتبہ اور دوسری رکعت میں بعد از فاتحہ سورۂ اذا جاء نصر اللہ ۲۵ مرتبہ پڑھیں ۔ سلام پھیرنے کے بعد درود شریف ۱۰۰ مرتبہ پڑھ کر کھڑے ہو کر یا وھاب ۴۰۰ مرتبہ نہایت خضوع وخشوع کے ساتھ پڑھا کریں ۔ اگر کھڑے ہو کر پڑھنے میں معذوری ہو تو بیٹھ کر پڑھیں ۔ اس نماز پر مداومت کریں اور مسواک کرنے میں سستی نہ کریں ۔ ہر وضو کے ساتھ مسواک کیا کریں ۔

سوکھا مسان کا علاج : سوکھا مسان کے لیے مندرجہ ذیل عمل کیجئے انشاء اللہ کامیابی ہوگی ۔ آدھ سیر یا سیر بھر یا زیادہ تل لے کر اس کو دھلوالیں اور پھر اس کا تیل نکلوالیں اور اس پر مندرجہ ذیل آیات باوضو پڑھ کر پھونکیں ۔ سورۃ فاتحہ مع بسم اللہ تین مرتبہ آیۃ الکرسی تین مرتبہ والصافات لازب تک ۳ مرتبہ سورۂ جن "شططا" تک ۳ مرتبہ چاروں قل تین تین مرتبہ اس کے بعد بچہ کا سر منڈا کر روزانہ یہ پڑھا ہوا تیل سر سے پیر تک تمام جسم پر ملا کریں ۔ کوئی جگہ تیل سے خالی نہ رہے ۔ ملنے کے بعد چاہیں تو بچہ کو صابن سے نہلا دیں یا بدن پر تیل لگا کر رہنے دیں ۔ یہ عمل چالیس دن تک بلاناغہ کیا جائے ۔ انشاء اللہ مکمل فائدہ ہوگا ۔

جس عورت کے بچے سوکھے میں مبتلا ہوتے ہوں : جب حمل ۴ مہینے کا ہو۔ گیارہ دھاگے چرخے کے حاملہ کے قد کے برابر لیجئے اور اس کو کسم کے پھول سے رنگ کر اس میں ۱۴ گرہ دیجئے اور ہر گرہ دیتے ہوئے سورہ فاتحہ مع بسم اللہ پڑھیے اور گرہ دیتے ہوئے گرہ پر پھونکیے۔ پھر اس دھاگہ کو گنڈا بنا کر حاملہ کے گلے میں ڈال دیجئے اور جب بچہ پیدا ہو جائے تو ماں کے گلے سے اتار کر بچہ کے گلے میں پہنا دیجئے۔ انشاء اللہ بچہ ام الصبیان سے محفوظ رہے گا، مگر یہ پڑھنا اور پھونکنا باوضو ہو۔

دودھ کی کمی کے لیے : پسے ہوئے نمک پر والوالدات یرضعن اولادھن حولین کاملین لمن اراد ان یتم الرضاعۃ اور آیت کریمہ ان لکم فی الانعام لعبرۃ نسقیکم مما فی بطونہ من بین فرث ودم لبنا خالصا سائغا للشاربین باوضو گیارہ گیارہ مرتبہ پڑھ کر پھونکیں اور وہ نمک ارد کی دال میں ڈال کر عورت کو کھلا دیا کریں انشاء اللہ کامیابی ہوگی۔

جادو کا علاج : سحر زدہ شخص پر ہر دو عمل کیجئے۔ انشاء اللہ کامیابی ہوگی۔

۱۔ کھانے کے نمک کو پیس کر اس پر باوضو مندرجہ ذیل آیات ایک ہزار مرتبہ پڑھ کر پھونکیے اور کھانے میں صرف یہی نمک ملا کر دیا کیجئے۔ ۴۰ دن تک متواتر ایسا ہی کھانا کھلایا کریں جس میں یہی نمک ڈالا گیا ہو۔ اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ یا تو اس کا کھانا علیحدہ پکایا جائے اور اس میں یہ نمک ڈالا جائے یا گھر میں جو سالن پکتا ہے اس میں ابتداء سے نمک نہ ڈالا جائے۔ جب پک جائے تو مریض کے لیے کھانا علیحدہ نکال کر پڑھا ہوا نمک ملا دیویں اور گھر کے کھانے میں بے پڑھا نمک حسبِ عادت ڈالا جائے۔ آیات یہ ہیں واذا قتلتم نفسا فادارأتم فیھا واللہ مخرج ما کنتم تکتمون۔ فقلنا اضربوہ ببعضھا کذلک یحیی اللہ الموتیٰ ویریکم آیاتہ لعلکم تعقلون۔

۲۔ جاری پانی دریا یا نہر کا یا سات کنوؤں کا بھر کر ایک گھڑا باوضو مندرجہ ذیل آیات ۱۱ مرتبہ اور سورۂ فلق اور سورۂ ناس ۱۱۔ ۱۱ مرتبہ پڑھ کر پھونکیں اور مریض کو اس پانی سے تین گھونٹ پلائیں اور باقیماندہ پانی سے سر پر پانی ڈال کر نہائیں۔

باقی بر صـ ۵۶

نعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوب
خلیفہ
حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہما اللہ تعالیٰ

ہو نعتِ بشر کیا کوئی شایانِ محمدؐ ہے جبکہ خدا خود ہی ثنا خوانِ محمدؐ
میں اور میرے ماں باپ ہوں قربانِ محمدؐ

جاں دینے کو تیار ہی رہتے تھے صحابہؓ کافی تھا فقط جنبشِ مژگانِ محمدؐ
میں اور میرے ماں باپ ہوں قربانِ محمدؐ

سُن کہتی ہے کیا آیتِ قُلْ فَاتَّبِعُوْنِیْ محبوبِ خدا، تابعِ فرمانِ محمدؐ
میں اور میرے ماں باپ ہوں قربانِ محمدؐ

ہے طاعتِ حق صلِّ علیٰ طاعتِ احمد کیا شان ہے کیا شان ہے کیا شانِ محمدؐ
میں اور میرے ماں باپ ہوں قربانِ محمدؐ

ہر چند وہ مخلوق بھی ہیں اور بشر بھی خلقت سے نرالی ہے ہر اک شانِ محمدؐ
میں اور میرے ماں باپ ہوں قربانِ محمدؐ

تحقیقِ صحابہؓ ہے یہ شاعر کا نہیں قول ہے رشکِ قمر روئے درخشانِ محمدؐ
میں اور میرے ماں باپ ہوں قربانِ محمدؐ

سب دیکھتے ہیں بہرِ شفاعت سوئے حضرت میدانِ قیامت ہُوا میدانِ محمدؐ
میں اور میرے ماں باپ ہوں قربانِ محمدؐ

مجذوب اُٹھے خوابِ زیارت سے الٰہی! سودا زدۂ زلفِ پریشانِ محمدؐ
میں اور میرے ماں باپ ہوں قربانِ محمدؐ

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

جناب نازش

بنا ہے کون میرِ کاروانِ "اَنتُمُ الاَعلَون"
نگیں پہلے جڑا ہے کونسا تاجِ خلافت میں

بغیرِ فصل نائب کون ہے سردارِ اُمّتؐ کا
پسند آئی امامت کس کی سرکارِ نبوّت میں

بفیضِ قُرب یہ اعزاز بھی آخر ملا تجھ کو
بنا مسند نشینِ اوّلیں دورِ خلافت میں

یہ منصب اَور مِل جاتا کسی کو ؟ کیسے ممکن تھا
قبولیت فقط تیری تھی سرکارِ مشیت میں

وہ مُجرم ہے نہ ہو جس کو یقیں تیری امامت کا
وہ ظالم ہے جسے شک ہو ذرا تیری صداقت میں

تصوّر کے احاطے میں نہ آئی ہے نہ آئے گی
کوئی سوچے تو وسعت کس قدر ہے تیری عظمت میں

ہے سارے انبیاء کے بعد افضل تر تری ہستی
ہے پہلا نام تیرا مرتبہ دانِ نبوّت میں

ودیعت رازداری کی گئی پاکیزہ فطرت میں
ازل سے سبقتِ ایماں لکھی تھی تیری قسمت میں

رہے اونچا نہ سب سے مرتبہ کیوں اس کا اُمّت میں
دیا ہو جس نے شاہِ بحر و بر کا ساتھ ہجرت میں

دلیلِ قُربتِ حق ہے رفیقِ مصطفےٰؐ ہونا
ترا ہمسر نہیں کوئی رفاقت اور قربت میں

قیامت تک جمالِ مصطفےٰؐ تقدیر ہے تیری
مخل ہو گا نہ کوئی حشر تک اب تیری خلوت میں

مولای صلِّ وسلِّم دائماً ابداً — درس حدیث — علیٰ حبیبک خیر الخلق کلہم

حضرت سیدنا عباس رضی اللہ عنہ

استاذ العلماء شیخ الحدیث حضرۃ مولانا سید حامد میاں رحمہ اللہ کے زیر اہتمام ہر اتوار کو نماز مغرب کے بعد جامعہ مدنیہ میں مجلسِ ذکر" منعقد ہوتی تھی۔ ذکر سے فارغ ہو کر حضرت رحمہ اللہ حدیث شریف کا درس بھی دیا کرتے تھے۔ ذکر و بیان کی یہ مبارک اور روح پرور محفل کس قدر جاذب و پُرکشش ہوتی تھی الفاظ اس کی تعبیر سے قاصر ہیں۔

محترم الحاج محمود احمد عارفؔ کی خواہش و فرمائش پر عزیز بھائی شاہد صاحب سلمہٗ نے حضرۃ شیخ الحدیث قدس سرہٗ کے بہت سے دروس ٹیپ ریکارڈر کے ذریعہ محفوظ کر لیے تھے اور پھر دروس والی تمام کیسٹیں انہوں نے ادارہ انوار مدینہ کو عطا کر دیں۔

ہماری دُعاء ہے کہ جن کی مہربانی، توجہ اور سعی سے یہ انمول علمی جواہر ریزے ہمارے ہاتھ لگے، حق تعالیٰ ان سب کو بیش از بیش اجر سے نوازے۔ ہم انشاء اللہ تعالیٰ یہ قیمتی لؤلؤ و لالا انوارِ مدینہ کے ذریعہ حضرۃ رحمہ اللہ کے مریدین و احباب تک قسط وار پہنچاتے رہیں گے۔

واضح رہے کہ حضرۃ کے خلفِ اکبر اور جانشین حضرۃ مولانا سید رشید میاں صاحب کے زیر اہتمام ذکر و درس کا یہ سلسلہ بفضلہٖ تعالیٰ اَب بھی جاری ہے۔

ہنوز آں ابرِ رحمت درفشاں است — خُم و خمخانہ با مہر و نشاں است

عبد المطلب رضی اللہ عنہ بن ربیعہ کہتے ہیں کہ مَیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا تھا کہ آپ کے چچا حضرۃ عباس رضی اللہ عنہ تشریف لائے۔ غُصہ کی حالت میں تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَا اَغْضَبَکَ کس بات پر غصہ ہے؟ کیا خفگی ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہمارا (یعنی بنو ہاشم کا) اور قریش کا کیا (عجیب سا) حال ہے کہ جب قریش ایک

دوسرے سے ملتے ہیں تو خوشی کے انداز سے ملتے ہیں۔ ان کے چہروں پر خوشی کے آثار ہوتے ہیں اور جب ہم سے ملتے ہیں تو ایسے جیسے کوئی بات ہی نہیں۔ انہیں ہم (ہاشمیوں) سے ملتے ہوئے جیسے کوئی خوشی ہی نہیں ہوتی۔

عبدالمطلبؓ بن ربیعہ فرماتے ہیں کہ اپنے چچا کی یہ بات سُنی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی خفگی ہوئی اور خفگی اِتنی ہوئی کہ احمرّ وجھہٗ آپ کا چہرۂ انور سُرخ ہوگیا۔ اور ارشاد فرمایا وَالذی نفسی بیدہ لَا یَدْخُلُ قلب رجلٍ الایمان حتّٰی یُحِبّکم للّٰہِ ولِرَسُوْلِہٖ قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کسی آدمی کے دِل میں ایمان اس وقت تک داخل نہیں ہوگا جب تک وہ تم لوگوں سے خدا اور اُس کے رسول کی وجہ سے محبت نہ رکھے گا۔

یہ ایک عام بات ہے کہ جس سے محبّت ہوتی ہے اُس کے رشتہ داروں اور اس سے منسلک تمام لوگوں سے محبت ہوتی ہے، اس کی اولاد سے محبت اس کے بھائیوں سے محبت اس کے ماں باپ سے محبت اس کے دوستوں سے محبت۔ تو جب ایک مؤمن و مسلمان کو خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہوتی ہے اور اس محبت کے بغیر کوئی مسلمان کہلانے کا حق دار ہی نہیں ہوسکتا تو آپ کی وجہ سے اور آپ کے لحاظ میں مسلمان کو آپ کے رشتہ داروں اور آپ کے دوستوں سے بھی ضرور محبت رکھنی ہوگی۔ اگر ایسا نہیں تو گویا اس کا ایمان ہی کامل نہیں ہے۔

یہی بات آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمائی کہ مسلمانوں کو میرے "رشتہ" کا لحاظ کرنا چاہیئے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ داروں سے اِس اعتبار سے محبت کرنا کہ وہ رسولؐ اللہ کے رشتہ دار ہیں کمالِ ایمان کی علامت ہے۔ جب آپ سے محبت ہے، جب آپ کا احترام ہے تو آپ کے رشتہ داروں سے محبت کیوں نہیں ہوگی اور ان کا احترام کیوں نہیں کیا جائے گا۔ جب آپ کا احترام ہے آپ سے تعلق ہے تو ضروری ہے کہ آپ کے رشتہ داروں کا بھی احترام ہو۔ ان سے بھی محبت ہو۔ اگر وہ مسلمان ہوں، ہاں وہ رشتہ دار مسلمان نہ ہوں تو بات دوسری ہے۔

پھر فرمایا اَیُّھَا النَّاس مَن اٰذیٰ عَمِّی فَقَدْ اٰذانِیْ جس نے میرے چچا کو دکھ پہنچایا اس نے مجھے دُکھ پہنچایا۔ فَاِنَّمَا عَمُّ الرَّجلِ صِنْوُ اَبِیْہِ کسی آدمی کا چچا اس کے باپ کے مثل ہوتا ہے۔ باپ کے بعد چچا کا درجہ ہے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا کہ وہ میرے لیے باپ کے قائم مقام ہیں۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دو ڈھائی سال ہی بڑے ہوں گے۔ عُمر کے اعتبار سے زیادہ فرق نہیں تھا۔ مگر "چچا" تھے۔ اِس رشتہ کی وجہ سے آپ ان کا بہت احترام کرتے تھے۔ اِس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رشتوں کا لحاظ رکھتے تھے۔ یہ نہیں ہے کہ آپ رشتہ کو کوئی اہمیت ہی نہیں دیتے تھے۔ دیکھیئے! آپؐ نے اپنے رشتہ کے حوالہ سے بات فرمائی کہ مَن اٰذیٰ "عَمِّی" جو میرے "چچا" کو اذیت دے گا وہ مجھے اذیت دے گا۔

اس حدیث مبارکہ سے یہ بھی سبق ملا کہ چچا کا بھی بڑا حق ہوتا ہے۔ ہر مسلمان کو چاہیئے کہ اپنے باپ کی بھی عزت کرے اور اپنے چچا کی بھی عزت کرے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اِس ارشاد کی وجہ سے اور آپ کے رشتہ کے لحاظ میں حضرت عباسؓ کا سب ہی بہت زیادہ احترام کرتے تھے۔ حضرۃ عباسؓ اپنی ذاتی خوبیوں کی وجہ سے بھی سب کی نگاہ میں محترم تھے اور رسول پاک کے رشتہ کے اعتبار سے بھی مسلمان ان کی بہت تعظیم کرتے تھے۔

چنانچہ حضرت عمر فاروق اور بعض دوسرے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں آتا ہے کہ جب وہ حضرت عباس کو دیکھتے تو سواری سے اتر جاتے اور حضرت عباس کے ساتھ احتراماً وہاں تک چلتے جہاں انہوں نے جانا ہوتا، بعد میں اپنا کام کرتے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نظر میں ان کا مقام کس درجہ بلند تھا اس کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جب قحط پڑتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے توسل سے دُعا کرتے پھر حضرت عباس بارش کے لیے نہایت عاجزانہ انداز سے دُعاء کرتے، اور اللہ تعالیٰ بارش برسا دیتے۔

باقی پر ص ۵۶

شیخ الحدیث حضرۃ علامہ مولانا سید محمد میاں (قسط ——— ۱)

جمہوریت اپنے آئینے میں

اور

اسلامی نظامِ حکومت کا مختصر خاکہ

اسلامی مملکت میں جملہ اختیارات ایک ہی کو دیئے جاتے ہیں ۔ اسکو امام کہا جاتا ہے جو پوری مملکت کا واحد سربراہ ہوتا ہے ۔ قرآن پاک کی تعلیم یہ ہے کہ وہ سربراہ اقتدار میں سب سے اعلیٰ ہو تو تقویٰ ، پرہیزگاری اور خدا ترسی میں بھی ان کو سب سے بلند ہونا چاہیئے ۔

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ

علماء نے امام کے لیے چند شرطیں اسی لیے قرار دی ہیں کہ حتی الامکان قرآن پاک کی تعلیم کو جامۂ عمل پہنایا جاسکے ۔ مثلاً عاقل ، بالغ ، تندرست ، صحیح الحواس ، صاحبِ ہمت ، صاحبِ حوصلہ ، صائب الرائے ، سیاسی امور کا واقف و ماہر ، جنگ و صلح کے نشیب و فراز سے باخبر ، خلقِ خدا کا ہمدرد ، عوام کا خیر خواہ ، مختلف طبقات کے مزاجوں سے واقف ہونے کے علاوہ اہم شرط یہ ہے کہ اس میں عدل ہو ۔ یعنی پابندِ شرع ہو ۔ اسلامی اخلاق کا حامل ہو ، کبائر کا مرتکب نہ ہوتا ہو ۔ بتقاضائے بشریت گناہ ہو جائیں تو فوراً توبہ کرلے ، کسی گناہِ صغیرہ کا بھی عادی نہ ہو عالم ہو اور اسلامی علوم میں بصیرت رکھتا ہو ۔ (ازالۃ الخفاء حجۃ اللہ البالغہ و شرح عقائد نسفی وغیرہ)

وزیر اعظم کی جو حیثیت ہندوستان جیسے آج کے جمہوری ممالک میں ہے کہ پارلیمنٹ یا اسمبلی میں جس سیاسی پارٹی کو اکثریت حاصل ہو اس کا لیڈر وزیر اعظم یا چیف منسٹر ہو ، اسلامی تعلیمات میں اس طرز کی اگر ممانعت نہیں کی گئی تو اس کی ہدایت بھی نہیں کی گئی ۔

جمہوریت پر ایک نظر

کوئی بھی موسم ہو اس میں اس موسم کے خاص پھل کی بہار ہوتی ہے۔ زبانوں پر اس کا تذکرہ ہوتا ہے، دلوں میں اس کی رغبت اور خواہش، بازار اور منڈیوں میں اس کی کثرت ہوتی ہے۔ تجربہ نے چہرۂ جمہوریت کے خوشنما اور دلکش غازہ کو بڑی حد تک کھرچ دیا ہے، مگر تقریباً چالیس سال پہلے کا دور وہ تھا جس میں یورپ کی استعمار پسند حکومتیں دنیا پر چھائی ہوئی تھیں۔ وہ دور تصورِ جمہوریت کا موسم بہار تھا۔

شکنجۂ استعمار میں کسی ہوئی قوموں کے مضطرب جذبات تصورِ جمہوریت کا استقبال کر رہے تھے اور یہ تصور اہلِ دانش، اہلِ نظر اور اصحاب فکر کی عقل و دانش پر یہاں تک چھایا ہوا تھا کہ وہ کھینچ تان کر اسلام کو بھی اپنی ہی صف میں کھڑا کرنا چاہتے تھے کہ جمہوریت کے جس تخیل کو وہ متاعِ بے بہا سمجھ رہے ہیں اسلام بھی اس کی تعلیم دیتا ہے اور بازارِ سیاست میں اس کا خریدار ہے۔

لیکن اگر ہم جذبات سے بالا ہو کر حقیقت کو سامنے رکھیں تو حقیقت یہ ہے کہ کوئی بھی مذہب جمہوریت کی موافقت نہیں کر سکتا۔ جس طرح جمہوریت۔ اگر صحیح معنی میں جمہوریت ہے تو وہ مذہب کے تابع نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ ہم جمہوریت کے ثنا خواں و مداح اس لیے ہوتے ہیں کہ اس میں عوام کو آزادی میسر آتی ہے۔ رائے کی آزادی، فکر کی آزادی، تحریر کی آزادی، تقریر کی آزادی، مطلق العنان حریت یعنی بے لگام آزادی۔ حالانکہ کوئی بھی مذہب اس مطلق العنان، بے لگام اور منہ چھوٹ آزادی کی اجازت نہیں دے سکتا۔ ہر ایک مذہب اخلاق کا طوقِ زرّیں انسان کے گلے میں ڈالتا ہے۔ اس کا اصل اصول ہوتا ہے پابندی، فرمانبرداری، ضبط و کنٹرول، ایثار اور قربانی۔ اس کے برعکس مطلق العنان آزادی جو جمہوریت کا طرّۂ امتیاز مانی جاتی ہے، رفتہ رفتہ آوارگی کی شکل اختیار کر لیتی ہے

آپ تحقیق فرمائیں تو مہذّب ترین جمہوری ممالک کاروباری ضابطوں اور قاعدوں میں وہ خواہ کتنے ہی با اصول ہوں، مگر اخلاق، کردار، روحانیت، خوفِ خدا اور خدا پرستی کے لحاظ سے وہ آوارہ اور شورہ پشت ہیں۔

بیشک جمہوریت کا یہ رُخ قابلِ قدر ہے کہ اصولاً ایک فرقہ کو دوسرے پر مسلّط نہیں کرتی۔ اگرچہ عملاً اس سے نجات بھی نہیں مل سکتی۔ کیونکہ اکثریت اگر کسی ایک فرقے سے تعلق رکھتی ہے تو وہ لامحالہ اپنی چھاپ جمہوریت پر ڈال دیتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ یہ سمجھنے لگتی ہے کہ جمہوریت کے معنی ہیں اکثریت کے ہم رنگ ہونا۔

فریب نظر اور طلسم

جمہوریت اور ڈیماکریسی کے ثنا خواں جمہوریت کی خوبی یہ بیان کرتے ہیں کہ جمہوریت میں اقتدارِ اعلیٰ جمہور کو حاصل ہوتا ہے۔ حکومت جمہور کی ہوتی ہے۔ اصل اختیارات جمہور کو حاصل ہوتے ہیں وہ اپنے لیے اپنی مرضی کے مطابق دستور اساسی (CANSTITUTON) اور قانون تجویز کر سکتے ہیں' لیکن حقیقت پسندانہ نظر ڈالی جائے تو یہ تمام الفاظ طلسم اور جادو کے منتر سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔ جو دماغوں کو مسحور ضرور کر لیتے ہیں، مگر حقیقت اور واقعیت سے آشنا نہیں ہوتے۔

جمہور کے پاس ووٹ کی طاقت ضرور ہوتی ہے، مگر کیا اس حقیقت سے انکار ہو سکتا ہے کہ جس طرح گری نکال دینے کے بعد بادام کا چھلکا، کوڑا کرکٹ یا ایندھن بن جاتا ہے ووٹ دینے والے بھی ووٹ دینے کے بعد بے مغز پوست بلکہ گرد پا بن جاتے ہیں۔

کہا جا سکتا ہے کہ مغز ہی اصل ہے بادام کی گری ہی بادام کا حاصل ہے۔ اگر گری کام آ رہی ہے تو بادام بے کار نہیں گیا اور ضائع نہیں ہوا۔ عوام کے نمائندے اگر قانون بنا رہے ہیں تو وہ قانون عوام ہی کا بنا ہوا قانون ہے: اگر وہ نمائندے حکومت کر رہے ہیں تو وہ عوام ہی کی حکومت ہے۔

مگر کیا واقعی یہی ہوتا ہے کہ قانون عوام کے نمائندے بناتے ہیں اور عوام کے نمائندے ہی حکومت کرتے ہیں۔ کون نہیں جانتا کہ ۸۰ فیصد نمائندے وہ ہوتے ہیں جو قانون بنانے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے۔ سینکڑوں ممبروں کے ایوان میں چند افراد کی کمیٹی بنا دی جاتی ہے جو قانون کا مسوّدہ تیار کرتی ہے۔ اصل واضع قانون یہ کمیٹی ہوتی ہے۔ دس پندرہ فیصد وہ ہوتے ہیں جو قانون کو سمجھتے ہیں باقی تعداد جو سینکڑوں کی ہیبت انگیز اور مرعوب کن تعداد ہوتی ہے۔ اس دس فیصد کی تقلید کرنے والی ہوتی ہے۔

مثلاً جمہوریہ ہند کا دستور اساسی جن پر مفکرینِ ہند کو ناز ہے اور جس کا وہ ساری دنیا میں ڈھنڈورا پیٹتے ہیں بیشک وہ مجلسِ دستور ساز کا منظور کردہ ہے جس کے ارکان کی تعداد تقریباً پانچسو تھی جس میں اقلیتوں کو بھی مناسب نمائندگی دی گئی تھی، لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس کا مسوّدہ ایک کمیٹی نے تیار کیا اور کمیٹی کے ارکان نے بھی سہولت کار کے لیے تدوین اور ترتیب کا کام ایک قابل شخص (ڈاکٹر امبیدکر) کے سپرد کر دیا تھا۔ مسوّدہ تیار کرنے میں کمیٹی کے ارکان بھی وقتاً فوقتاً ان کی مدد کر دیتے تھے۔ بیشک وہ مسودہ ارکان کے سامنے پیش کیا گیا۔ اسمبلی کے اجلاس میں اس کی ایک ایک دفعہ پڑھی گئی۔ اس میں ترمیمات بھی ہوئیں، لیکن یہ سب نقش و نگار کی تبدیلیاں تھیں۔ بنیادی ستون وہی رہے جن کی بنیاد ڈاکٹر امبیدکر نے ڈالی تھی۔

اور اگر ہم اس نمائش ہی کو حقیقت گردان لیں اور تسلیم کر لیں کہ دستور اساسی دستور ساز اسمبلی ہی کے ارکان نے مرتب کیا تھا اور ہر ایک رکن وضع قانون اور ترتیب دستور اساسی کی پوری صلاحیت رکھتا تھا اور اس نے تدوین و ترتیب میں پوری توجہ اور دماغ سوزی سے کام لیا۔ تب بھی ظاہر ہے کہ اس دستور اساسی اور اس کی دفعات کی منظوری اکثریت کی رائے پر موقوف تھی اور ایوان میں اگر ایک پارٹی مثلاً کانگرس کی اکثریت تھی تو یہ دستور اساسی ایک پارٹی کا دستور ہوا اور جمہوریت کا مصداق صرف یہی اکثریت تھی۔

پھر یہ ہو سکتا ہے کہ اس پارٹی کے ووٹوں کی مجموعی تعداد مخالفین کی تعداد سے کم ہو مثلاً جمہور کے تیس فیصدی ووٹ کانگرس کو ملے اور ستر فیصدی دوسری پانچ چھ پارٹیوں میں تقسیم ہو گئے۔ تو بیشک ایوان میں اکثریت کانگریس کو حاصل ہو گئی، مگر ظاہر ہے کہ یہ مصنوعی اکثریت تیس فیصدی کی نمائندگی کرتی ہے اور اب جمہور کا اطلاق صرف تیس فیصدی پر ہو رہا ہے۔

یہ دستورِ اساسی کے وضع و ترتیب کی صورت تھی جس کو تمام قوانین میں بنیادی حیثیت حاصل ہوتی ہے کیونکہ جملہ قوانین اس ڈھانچہ کا گوشت پوست ہوتے ہیں جو دستور ساز

اسمبلی دستور اساسی کی صورت میں تیار کرتی ہے۔

دستور اساسی کے علاوہ عام قانون جو اجلاسوں میں پیش ہوکر منظور ہوتے رہتے ہیں اور جمہوریت کے نام پر انہیں جمہور کے سر تھوپا جاتا ہے ان کے واضعین درحقیقت وہ چند افراد ہوتے ہیں جو کابینہ (CABENET) کے رکن ہوتے ہیں۔ کیبنٹ کا پیش کردہ مسوّدہ قانون پارٹی کو لامحالہ منظور کرنا پڑتا ہے، کیونکہ اس کو مسترد کرنے کے معنی ہوتے ہیں گورنمنٹ پر بے اعتمادی ظاہر کرنا۔ مختصر یہ کہ عوامی حکومت اور جمہور کے اقتدار اعلیٰ کے نعرے صرف نمائشی ہوتے ہیں اور حقیقت یہ ہوتی ہے کہ اقتدار اعلیٰ چند افراد کے چھوٹے سے حلقے میں سمٹ کر رہ جاتا ہے۔

بے شک اسلام جمہوریت کا حامی ہے بلکہ بانی ہے مگر اس کے معنی یہ ہیں۔

(۱) تمام انسان درجۂ انسانیت میں مساوی ہیں وہ کالے ہوں یا گورے، عرب ہوں یا عجم مشرقی ہوں یا مغربی سب ایک ماں باپ کی اولاد ہیں۔

(۲) ایک انسان کا درجہ دوسرے انسان سے اگر بلند رہے تو وہ رنگ، نسل، دولت، ثروت یا کسی جغرافیائی بنیاد پر نہیں، بلکہ درجہ اگر بلند ہوسکتا ہے تو صلاحیت اور قابلیت کی بنیاد پر اور اللہ تعالیٰ کے یہاں درجہ کی بلندی تقویٰ کی بنیاد پر ہوتی ہے۔

(۳) بادشاہت، اقتدار اعلیٰ کو نسل اور خاندان کے تابع کرتی ہے کہ باپ بادشاہ تھا تو بیٹا بھی بادشاہ ہوگا۔ اسلام اس سے نفرت کرتا ہے۔ ملک الاملاک اور شاہنشاہ جو دنیا میں سب سے زیادہ باعظمت لفظ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں سب سے زیادہ قابلِ نفرت ہے۔
(بخاری شریف ۹۱۶)

وہ اقتدار اعلیٰ کو صلاحیت اور قابلیت کے تابع کرتا ہے۔ (البقرۃ آیت ۔ ۲۴)

(۴) ہر شخص ذمہ دار ہے، وہ اپنی ذمہ داری کے بارے میں جواب دہ ہے۔ غریب ہو یا امیر حاکم ہو یا محکوم۔

(۵) امام (سربراہِ مملکت) مملکت کا سب سے بڑا ذمہ دار ہے، مگر وہ مشورہ کا پابند ہے اور مسلمانوں کے تمام معاملات مشورہ سے طے پاتے ہیں۔

(باقی پھر)

دارالافتاء جامعہ مدنیہ لاہور

--: مجیب و مفتی :--

حضرت مولانا ڈاکٹر عبد الواحد زید مجدہم ، مدرس و نائب مفتی جامعہ مدنیہ

سوال :-

سرکاری ملازمین کو حکومت کی طرف سے جو گاڑی ، فون وغیرہ ملتے ہیں - سرکار کو معاوضہ ادا کیئے بغیر انہیں ذاتی استعمال میں لانے کی اجازت نہیں ہوتی ۔ زید کے والد سرکاری ملازم تھے اور وہ فون اور گاڑی ذاتی استعمال میں لاتے رہے - زید بھی ان سے فائدہ اٹھاتا تھا۔ اسی طرح سرکاری ملازم سے بھی گھر کا کام لیا جاتا تھا۔ زید نے اپنے والد کو معاوضہ کی ادائیگی کے لیے کہا تو وہ اس پر آمادہ نہ ہوا۔

مہربانی فرماکر یہ بتائیے کہ معاوضہ کی ادائیگی کس کے ذمہ ہے۔ اگر والد کے ذمہ ہے اور وہ ادا نہ کرے تو زید کیا کرے ؟

جواب :-

جو اخراجات ناجائز کیئے ہیں ان کی رقم لوٹانی ضروری ہے -

سرکاری گاڑی ناجائز استعمال ہوئی تو دیکھا جائے کہ ON PAYMENT کی بنیاد پر اگر گاڑی لی جاتی تو کیا خرچہ آتا - اس کے بارے میں بھی حساب کر لیا جائے - اسی طرح ٹیلی فون کے اخراجات کا اندازہ لگا لیا جائے - یہ دونوں رقمیں اگر سرکاری خزانے میں جمع کرانے کی کوئی صورت ہو تو اس میں جمع کر دی جائے ورنہ فقراء پر تقسیم کر دی جائے۔

رہا ملازم کا معاملہ تو اس پر توبہ واستغفار کی جائے -

زید کا والد اگر یہ اخراجات سرکاری خزانے میں جمع کرانے یا بصورت دیگر فقراء پر تقسیم کرنے پر آمادہ نہ ہو یا اس کے پاس اتنی گنجائش نہ ہو تو اگر زید کے پاس اتنی گنجائش ہو تو وہ یہ رقم نکالدے اس کے اس عمل سے اس کے والد کو بھی فائدہ ہوگا ۔

سوال :

۱۔ شادی بیاہ کے موقعے پر ڈھول وغیرہ بجانا جائز ہے اگر نہیں تو کیوں ؟ بزرگوں کے مزارات پر قوالیوں کے ساتھ جو ساز اور ڈھول بجائے جاتے ہیں انکا کیا حکم ہے

۲۔ اگر کوئی قبیلہ مسجد میں اللہ کے ساتھ یہ عہد کرے کہ ہم آئندہ خوشی کے کسی موقعے پر ڈھول نہیں بجائیں گے اور پھر اس عہد کو ۱۸ سال کے بعد کوئی فرد از خود توڑ دیتا ہے تو اس کا گناہ اُس فرد پر ہوگا یا پوری قوم اور قبیلہ پر ؟

جواب :

۱۔ (ا) ڈھول بجانا خواہ شادی بیاہ کے موقع پر ہو یا بلا موقع ہونا جائز اور حرام ہے

(ب) بزرگوں کے مزارات پر جن قوالیوں کا رواج ہے وہ گانے میں شامل ہیں اور شریعت میں گانا اور ساز و باجے بھی حرام ہیں ۔

عن ابن عمر رضی اللہ عنہ۔ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن الغناء۔ والاسماع الی الغناء ..... (طبرانی)

(حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گانا گانے اور گانا سننے سے منع فرمایا ہے)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "میں بانسریاں (یعنی آلاتِ موسیقی) توڑنے کے لیے بھیجا گیا ہوں"

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ طبل حرام ہے شراب حرام ہے اور بانسریاں حرام ہیں (کف الرعاع) (بحوالہ اسلام اور موسیقی)

(۲) یہ عہد تو اس وقت بھی ہوتا ہے جب ہم کلمہ پڑھ کر اپنے مسلمان ہونے کا اظہار کرتے ہیں ۔ لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہہ کر ہم اس بات کا عہد و اقرار کرتے ہیں کہ

اللہ کے حکموں پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے پر عمل کریں گے۔ دوبارہ عہد تو اسی عہد کی تجدید ہے۔ اس عہد کو توڑنے والا تو گناہگار ہوتا ہی ہے وہ لوگ بھی گناہگار ہوتے ہیں جو روک سکتے تھے لیکن نہیں روکا یا سمجھا سکتے تھے لیکن نہیں سمجھایا۔

سوال :

بعض لوگوں کے نزدیک تقویۃ الایمان اور صراط مستقیم (از مولانا اسماعیل صاحب شہیدؒ) کا مطالعہ کفر ہے معترضین کے نزدیک تقویۃ الایمان میں درج ہے۔

اگر نماز میں اپنے شیخ کا خیال آجائے خواہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال ہی کیوں نہ ہو نماز فاسد ہو جاتی ہے اگر اپنے گدھے یا بیل کا خیال آجائے تو نماز فاسد نہیں ہوتی۔ کیا یہ صحیح ہے ؟

جواب :

نماز اللہ تعالیٰ کے ساتھ مناجات اور ہمکلامی کے لیے ہے۔ شیطان کی اوّل تو کوشش یہ ہوتی ہے کہ آدمی نماز ہی نہ پڑھے۔ اور اگر کوئی نماز پڑھتا ہے تو پھر اس کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ وسوسہ اندازی کر کے آدمی کو اللہ کی ہمکلامی اور مناجات کی لذّت سے غافل کر دے۔ پھر یہ وسوسہ اندازی کئی طرح سے ہوتی ہے۔ کسی کو دنیوی خیالات میں لگا دیگا۔ کسی کو دیکھا کہ عالم ہے تو اس کو مسائل میں مشغول کر دے گا کسی کو دیکھا کہ صوفی ہے تو اس کے دل میں شیخ کے تصور کو لے آئے گا۔ اسی طرح چونکہ مسلمانوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہے اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و احترام کے قائل ہیں تو کوشش کرے گا کہ چلو نماز کے اصل مقصد (جو کہ اللہ کی ہمکلامی اور یاد ہے) اس سے ہٹ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیال میں مشغول ہو جائے۔ اب جو شخص حقیقت سے باخبر نہ ہوگا تو وہ تو سمجھے گا کہ قرآن کے مسائل اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں خیالات تو اچھی بات ہے لہٰذا وہ ان میں خود مشغول رہے گا اور اس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ پھر یہ ہوگا کہ خالص اللہ کی یاد اور اس کی ہمکلامی میں خلل آئے گا۔ اس کے برعکس دنیوی خیالات کو سب لوگ سمجھتے ہیں کہ نماز میں یہ درست نہیں لہٰذا ان سے بچنے کی کوشش

کسی درجہ میں ہوتی ہے۔

جب یہ بات سمجھ گئے تو بس جان لیجئے کہ صراطِ مستقیم میں یہی بات سمجھائی گئی ہے صراطِ مستقیم میں اس مضمون کا عنوان بھی یہ ہے۔ "نفس وشیطان کی نماز میں خلل اندازی" اصل عبارت یوں ہے کہ "اور شیخ یا اس جیسے اور بزرگوں کی طرف خواہ جناب رسالت مآب ہی ہوں اپنی ہمت کو لگا دینا اپنے بیل اور گدھے کی صورت میں مستغرق ہونے سے برا ہے کیونکہ شیخ کا خیال تو تعظیم اور بزرگی کے ساتھ انسان کے دل میں چمٹ جاتا ہے اور بیل اور گدھے کے خیال کو نہ تو اس قدر چسپیدگی ہوتی ہے اور نہ تعظیم بلکہ حقیر اور ذلیل ہوتا ہے اور غیر کی یہ تعظیم اور بزرگی جو نماز میں ملحوظ ہو وہ شرک کی طرف کھینچ کر لے جاتی ہے"۔

خیال رہے کہ ہمت صوفیائے کرام کی ایک خاص اصطلاح ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ دل کو تمام خیالات وخطرات سے خالی کر کے کسی ایک طرف لگا دینا۔

باقی محض خیال کا آجانا اور بات ہے۔ اس کا تو اس عبارت میں کہیں ذکر نہیں بلکہ ذکر ہے تو ہمت کو لگا دینے کا ہے جس کا مطلب بتا چکے۔ اور پھر مزید یہ کہنا کہ شیخ کا یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال آجانے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے محض اعتراض کرنے والوں کی ایجاد ہے۔ آنحضرتؐ کے خیال سے نماز کسی کے نزدیک بھی فاسد نہیں ہوتی خود شاہ صاحبؒ بھی نماز میں تشہد اور درود شریف پڑھتے تھے۔ اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ کا نام نامی تو زبان سے ادا ہو اور آپ کا خیال نہ آئے۔

سوال :

قرآن وحدیث کی رُو سے کسی چیز پر اللہ تبارک وتعالیٰ کے سوائے کسی اور کا نام رکھا جا سکتا ہے جیسا کہ قرآن کے بعض تراجم میں لکھا ہُوا ہے کہ وما اھل بہٖ لغیر اللہ (جس چیز پر اللہ کے سوا غیر کا نام پکارا جائے (وہ حرام ہے) تو کیا ہم کہہ سکتے ہیں میری ماں کا کنواں، میرا باغ، میری مسجد، کیا میری مسجد اور میری ماں کا کنواں وما اھل بہٖ لغیر اللہ میں آتا ہے؟

جواب

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کا تقرب حاصل کرنے کے لیے جو جانور نامزد کر دیا گیا ہو، اس کی دو صورتیں ہیں :

۱: کسی جانور کو غیر اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے ذبح کیا جائے اور ذبح کے وقت اسی غیر اللہ کا نام لیا جائے۔

۲: کسی جانور کو غیر اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے ذبح کیا جائے یعنی اس کو ذبح کرنے سے مقصود غیر اللہ کا تقرب ہو اگرچہ ذبح کرتے وقت اس پر اللہ کا نام لیا جائے۔

جب یہ مطلب واضح ہو گیا تو اب یہ خود بخود معلوم ہو گیا کہ میرا باغ یا میری ماں کا کنواں کہنا درست ہے اور ایسا کہنا اس آیت کے خلاف نہیں کیونکہ ایسا تو عام طور پر اپنی یا دوسرے کی ملکیت ظاہر کرنے کے لیے کہا جاتا ہے۔ غیر اللہ کا تقرب مقصود نہیں ہوتا۔

سوال :

۱: قسطوں کا کاروبار جائز ہے یا ناجائز کہ بیچنے والا واضح طور پر کہتا ہے کہ اگر نقد لو تو دو روپیہ، قسطوں پر لو تو سوا سو روپیہ۔

۲: انعامی بانڈز جائز ہیں یا ناجائز

جواب :

۱: اگر معاملہ کرتے ہوئے یہ طے ہو جائے کہ قسطوں پر لے رہے ہیں تو سو کے بجائے سوا سو روپے مقرر کرنا جائز ہے۔ البتہ قسطوں پر سودا اس وقت جائز ہو گا جب اس میں کوئی اور ناجائز شرط رکھی نہ گئی ہو، لہٰذا سودا کرنے سے پہلے شرائط کی تحقیق کر لیں۔

۲: انعامی بانڈز پر ملنے والا انعام صریح سُود ہے۔

دُنیا کی حرص و طمع

مولانا ابوبکر غازی پوری

○

قرآن و حدیث کے مطالعہ سے یہ بات واشگاف ہوتی ہے کہ دنیا کی طلب اور اسکی حرص اتنی کہ انسان کو آخرت سے غافل کردے اور اسکو دنیا کا غلام بنادے بڑی مذموم اور بُری چیز ہے، یہ صحیح ہے کہ اسلام دنیا سے بالکل بے تعلق ہونے کی دعوت نہیں دیتا بلکہ اس کی تعلیم تو یہ ہے کہ انتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللہ۔ زمین میں پھرو اور اللہ کے فضل و نعمت کو حاصل کرو۔

قرآن پاک میں جگہ جگہ انفاق فی سبیل اللہ کا حکم ہے۔ یہ اِنفاق بلا کسبِ مال کے کیسے ہوسکتا ہے ؟ فقراء، مساکین، یتامیٰ اور بے کسوں اور لاچاروں کی امداد و اعانت بہترین عمل ہے اس کے لیے ضرورت ہے کہ انسان کے پاس پیسہ ہو۔ اس لیے جائز طریقہ پر مال حاصل کرنا ضروری ہے۔ قرآن و احادیث میں ہمیں اس کی طرف متوجہ کیا گیا ہے اور اس سلسلہ میں خود صحابہؓ کی زندگی ہمارے لیے بہترین نمونہ ہے۔

صحابۂ کرام رضؓ میں ایک جماعت تھی جس کا شمار اونچے درجہ کے مالداروں میں ہوتا تھا۔ حضرت عثمان رضؓ عرب کے مشہور تاجر تھے۔ حضرت ابوبکر رضؓ کی ابتدائی زندگی میں امیرانہ جاہ وشکوہ تھا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ کے پاس جو دولت تھی اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ان کی وفات کے بعد ان کی چار بیویوں میں سے ہر ایک کو اَسّی اَسّی ہزار درہم ملے تھے۔ (جامع بیان العلم ص۱۳۰ ج ۲)

اور ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر بیوی کے حصّہ میں تراسی ہزار روپیہ

آیا تھا حضرت زبیرؓ عرب کے مالدار ترین آدمی تھے ان کے پاس صرف غلاموں کی تعداد ایک ہزار تھی۔ (ایضاً)

حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ کا جب انتقال ہوا تو ان کے پاس ستر ہزار درہم تھے۔

اسی طرح تابعین میں ایک بڑا طبقہ مالداروں کا تھا۔ ائمہ میں حضرت امام ابو حنیفہؒ کی ثروت و مالداری زبان زد عوام ہے۔ فقیہ مصر امام لیث زبردست تاجر تھے۔ حضرت عبد اللہ ابن مبارک کا لقب ہی "التاجر السفار" پڑ گیا تھا حضرت امام وکیع ایک لاکھ سے کاروبار کیا کرتے تھے۔

غرض صحابہ سے لے کر تابعین اور تبع تابعین تک جو خیر القرون کا زمانہ تھا اور دین کا گھر گھر چرچا تھا اور عہدِ نبوت سے قرب تھا۔ ہر شخص کے دل میں دین کا سودا تھا اس وقت بھی کسی نے مال و دولت کو نفرت کی نگاہ سے نہیں دیکھا، اور دنیا سے انقطاع کی دعوت نہیں دی اور بلاوجہ فقر و فاقہ کی زندگی کو اختیار نہیں کیا۔ خود آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فقر و فاقہ سے پناہ طلب کی ہے اور امت کو اس کی تعلیم دی ہے آپ دُعا فرماتے تھے۔

اَللّٰھم انا نعوذ بك من الفقر والفاقة والقلة والذلة

(جامع بیان العلم ج ۲ ص ۱۶)

اے اللہ میں تیرے ذریعہ محتاجی اور فقر سے پناہ مانگتا ہوں اور مال کی کمی اور ذلت سے پناہ مانگتا ہوں۔

کبھی آپ دُعا میں کہتے :۔

اللّٰھم انی اسئلك الھدی والتقی والعافیة والغناء

اے اللہ میں تجھ سے ہدایت، پرہیزگاری اور غناء کا خواستگار ہوں۔

ایک حدیث میں فرمایا گیا :۔

من رزق الدنیا علی الاخلاص للہ وحدہ وعبادتہ لا شریك لہ واقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ مات واللہ عنہ راض۔

یعنی جو شخص اخلاص اور اللہ کی بلاشرکتِ غیر عبادت اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کی بناء پر رزق عطا کیا گیا تو اس کا انتقال اس حال میں ہوگا کہ اللہ اس سے راضی رہے گا۔

اور ابو قلابہ فرماتے ہیں :۔

لا تضرکم الدنیا اذا شکرتموھا للہ۔

یعنی تم نے اگر اللہ کا شکر ادا کیا تو دنیا تم کو نقصان نہیں پہنچائے گی۔

غرض نیت خالص کے ساتھ، اللہ کی رضا جوئی کے لیے اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کے لیے، اہلِ حاجت کی اعانت و دستگیری کے لیے دنیا کا حاصل کرنا اور مال و دولت کا جمع کرنا کبھی بھی مذموم نہیں رہا ہے اور نہ شریعت نے اس سے روکا ہے بلکہ بسا اوقات نفل عبادتوں پر طلب رزق کا مقدم کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اہل و عیال کی پرورش انسان کا فریضہ ہے اور اس فریضہ کی ادائیگی نفلی عبادتوں سے کہیں اہم ہے۔

بہرحال اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اسلام دنیا سے الگ ہوکر زندگی گزارنے کی دعوت نہیں دیتا ہے اور نہ کسب مال اس کے نزدیک فی نفسہ برا عمل ہے۔ بلکہ جو چیز اسلام کی نگاہ میں بُری ہے اور جس کی وجہ سے دنیا اور اہلِ دنیا کی مذمت کی جاتی ہے وہ دنیا کا مد سے زیادہ لالچ اور حرص ہے جو انسان کو آخرت سے غافل بنا دیتی ہے اور انسان دنیا میں پھنس کر اپنے پیدا کرنے والے کو بھلا بیٹھتا ہے۔ آخرت سے اس کا رشتہ کمزور ہو جاتا ہے اسے دن رات صرف پیسہ کمانے اور دولت جمع کرنے کی فکر رہتی ہے خواہ یہ دولت کسی طریقہ سے بھی حاصل ہوتی رہے وہ فرائض و واجبات کا بھی تارک بن جاتا ہے۔ مال و دولت کی حرص اس کو بے چین اور پراگندہ خاطر بنائے رہتی ہے۔ دوسروں کی دولت کو دیکھ کر اس میں حسد و طمع کا عارضہ پیدا ہوتا ہے اور ناشکری کے جذبات پرورش پاتے ہیں وہ اپنے مال کو غلط جگہ پر لگاتا ہے اور اپنے سے کم مال والے کو حقیر و ذلیل سمجھتا ہے، دین و شریعت کا اس کی نگاہ میں کوئی وزن نہیں رہتا۔

غرض جب حرص و آز اس درجہ کو پہنچ جائے اور دنیا اس درجہ مطلوب ہو جائے کہ شرعی قوانین و اخلاق کی بھی انسان پرواہ نہ کرے اور انسان اللہ کا بندہ ہونے کے بجائے

روپے پیسے کا بندہ بن جائے تو بلا شبہ ایسے شخص کے لیے کتاب و سنت میں سخت وعید ہے۔ قرآن کا ارشاد ہے :۔

اَمَّا مَنْ طَغٰی وَ اٰثَرَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا فَاِنَّ الْجَحِیْمَ ھِیَ الْمَاْوٰی

یعنی جس نے سرکشی کی اور دنیاوی زندگی کو آخرت کی زندگی پر ترجیح دی اسکا ٹھکانا جہنم ہے

سورۂ یونس میں ایک جگہ فرمایا گیا کہ انسان کی اگر یہی خواہش ہے کہ اسے دنیا حاصل ہو جائے تو اسے دنیا دے دی جاتی ہے مگر ایسے شخص کا آخرت میں کوئی حصّہ نہیں ہے، فرمایا گیا۔

" جو دنیا کی زندگی اور اس کی آرائش چاہتا ہے ہم اس کے اعمال کا بدلہ بلا کسی کمی کے دُنیا ہی میں پورا پورا دیتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں سوائے آگ کے انہوں نے جو کچھ کیا سب اکارت گیا اور وہ جو کچھ کر رہے ہیں وہ باطل ہے۔

ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا گیا :۔

مَا ھٰذِہِ الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَۃَ لَھِیَ الْحَیَوَانُ

دنیا کی زندگی دراصل دھوکہ کی پونجی ہے اور آخرت کا گھر وہی اصل زندگی ہے۔

ایک جگہ ارشاد فرمایا گیا :۔

لَا یَغُرَّنَّکُمُ الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا وَلَا یَغُرَّنَّکُمْ بِاللّٰہِ الْغَرُوْرُ

دنیا کی زندگی تم کو دھوکے میں نہ ڈالے اور نہ شیطان تم کو اللہ کے بارے میں دھوکے میں رکھے۔

یہ دولت کے جمع کرنے والے بیشتر وہ ہوتے ہیں جنہیں نہ دین کی پرواہ ہوتی ہے اور نہ انسانی اخلاق کی وہ اپنے کو ہر قانون سے بری سمجھتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے جو کمایا ہے یہ ان کی عقل و دانش اور سعی و عمل کا فیض ہے وہ اس دولت کو اپنے لیے رحمت سمجھتے ہیں اور ان کے تمرد، سرکشی اور ناشکری اور کفرانِ نعمت کے باوجود بھی جو ان کے پاس دنیا سمٹتی آرہی ہے وہ سمجھتے ہیں کہ ان کا خدا ان سے راضی ہے حالانکہ ان کے اس سرکشی اور

کفرانِ نعمت کے بعد بھی دنیا نے جو اُن پر اپنا دروازہ کھول دیا ہے یہ خدا کا عذاب ہے، یہ فتنہ اور آزمائش ہے جس کا انہیں اپنی غفلت، بے پروائی اور آخرت فراموشی کی وجہ سے ادراک نہیں ہو پاتا یہ عذاب کی وہ رسی ہے جس میں ہر آنے والے دن وہ کستے چلے جا رہے ہیں قرآن میں آنحضورؐ کو مخاطب بنا کر فرمایا گیا :۔

لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى

آپ اس چیز کی طرف نگاہ نہ کریں جو ہم نے ان کافروں میں سے کچھ کو اس دنیا میں فائدہ اٹھانے کے لیے دے رکھا ہے یہ محض دنیا کی رونق ہے ہم ان کو آزمانا چاہتے ہیں آپ کے رب کا رزق زیادہ بہتر اور زیادہ پائیدار ہے۔

بہرحال یہ سمجھ لینا کہ مال و دولت کی کثرت اور آرام و راحت کی زندگی معصیت اور حقوق ناشناسی کے باوصف بھی جو حاصل ہے یہ خدا کا فضل ہے، یہ نفس کا فریب اور شیطان کا دھوکہ ہے آخرت کو نظر انداز کر کے اور خدا سے غافل ہو کر زندگی گزارنے والا شخص بہرحال اللہ کے عذاب سے بچ نہیں سکتا۔ دیر یا سویر اس کو اپنی اس غفلت اور آخرت فراموشی کا مزہ چکھنا ہے بلکہ بسا اوقات اس کی یہ دولت خود اس کے لیے عذاب بن جاتی ہے اور وہ اس دنیا ہی میں اس عذاب کا مزہ چکھ لیتا ہے اور یہ ضروری نہیں ہے کہ یہ عذاب آسمانی عذاب کی طرح کوئی عذاب ہو بلکہ یہ بھی اللہ کا زبردست عذاب ہے کہ انسان سے خیر و شر کی تمیز اٹھ جائے، اس کی سرکشی اور اللہ سے بغاوت بڑھتی جائے۔ گمراہی و شقاوت کی تہ دبیز سے دبیز تر ہوتی جائے۔ حرص و طمع کی وجہ سے وہ لوگوں میں بدنام اور حقیر ہو اس کی اولاد نافرمان ہو، ذہن کا سکون اور قلب کا اطمینان غائب رہے۔ یہ ساری شکلیں عذاب ہی کی ہیں اور شاید ہی کوئی بندۂ دنیا ایسا ہوگا جس کے ساتھ عذاب کی ان شکلوں میں سے کوئی شکل نہ پائی جاتی ہو۔

نیز جب مال و زر کی کثرت ہوتی ہے اور انسان شرعی و اخلاقی قیود سے آزاد رہتا ہے تو عموماً اخلاقی امراض پیدا ہوتے ہیں جس سے پوری سوسائٹی گندی ہوتی ہے۔ چوری، زنا،

قتل وغارت گری، بغض وعداوت، حسد وطمع وغیرہ سینکڑوں بیماریاں ہر روز جنم لیتی ہیں۔
آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں فرمایا کہ:

"جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر درہم و دینار اور سونے چاندی کے دروازے کھول دیتے ہیں تو اس قوم میں قتل وخون ریزی اور رشتہ داروں سے قطع تعلق پیدا ہو جاتا ہے"۔

(جامع بیان العلم ص۱۱ ج ۲)

ایک دوسری حدیث میں فرمایا گیا :۔

"دنیا سے بے رغبتی قلب کو آرام پہنچاتی ہے اور دنیا کی خواہش رنج وغم کو زیادہ کرتی ہے"۔ (الجامع الصغیر ص۸ ج ۲)

ان احادیث وآیات سے معلوم ہوا کہ مال ودولت جس طرح انسان کی راحت وآرام کا باعث ہے اسی طرح جب انسان کی حرص وطمع بڑھ جائے اور دوسروں کے حقوق پامال ہونے لگیں اور انسان کی نگاہ میں دنیا اور دنیا کی ٹیپ ٹاپ ہی سب کچھ ہو جائے تو یہی مال اس کے لیے لعنت اور عذاب بن جاتا ہے۔ آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں فرمایا :۔

کہ "جب تم دیکھو کہ اللہ کسی کو دنیا دے رہا ہے اور وہ انسان معاصی میں پڑا ہوا ہے تو سمجھ لو کہ یہ اللہ کی طرف سے ڈھیل دی گئی ہے"۔

ایک دوسری حدیث میں فرمایا گیا کہ

چھ چیزیں انسان کے عمل کو ضائع کر دیتی ہیں۔ (۱) مخلوق کے عیوب میں لگنا۔ (۲) دل میں قساوت کا ہونا (۳) دنیا کی محبت میں پڑنا (۴) حیا کا کم ہونا (۵) بڑی امیدیں رکھنا (۶) ظلم سے باز نہ رہنا۔ (جامع صغیر ص۱۹ ج ۲)

ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی حرص وہوس انسان سے جواں مردی کے اوصاف ختم کر دیتی ہے اور اس کو بزدل بنا دیتی ہے لوگوں کے دل سے اس کی ہیبت ختم ہو جاتی ہے اور ایک دوسری حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

اذا عظمت امتی الدنیا نزعت عنها هیبة الاسلام

یعنی جب میری امت دُنیا کو بڑی چیز سمجھنے لگے گی تو اس سے اسلام کی ہیبت چھین لی جائے گی۔

آج مسلمانوں کی حالت پر غور کرو اور دیکھو کس طرح یہ حدیث ان پر حرف بحرف صادق آ رہی ہے۔ دنیا کمانے کی فکر، مال ومتاع اور عیش وتنعم کی خواہش نے ان کو آخرت سے غافل کر دیا ہے دنیا کو اس نے سب کچھ سمجھ رکھا ہے اور اس دنیا کے سامنے اسے آخرت کی زندگی کی کوئی فکر نہیں ہے۔ دنیا کی چمک دمک نے اس کی نگاہ کو خیرہ کر دیا ہے اور آج مسلمان اسلامی اخلاق وکردار کو پامال کرتے ہوئے ہر طرح دنیا کما رہا ہے، جائز وناجائز اور حلال وحرام کی اسے قطعاً پرواہ نہیں ہے۔

لیکن کیا مال ودولت کی کثرت کے باوجود بھی انہیں عزت وآبرو کا وہ مقام حاصل ہو سکا جو ایک باغیرت قوم کے لیے باعثِ افتخار ہوا کرتا ہے۔

اسلامی مملکتوں کو دیکھو ان کی زمین سے دولت کا چشمہ ابل رہا ہے۔ عیش وتنعم کے سارے اسباب مہیا ہیں اور ان کا معیارِ زندگی بلند سے بلند تر ہو گیا ہے لیکن کیا اس زندگی سے ان کی وہ ہیبت وشان بھی باقی ہے جس سے قیصر وکسریٰ کے محلات لرزتے تھے کیا آج بھی وہی مسلمان ہیں جن کے نام سے قصرِ باطل میں زلزلہ پیدا ہوتا تھا، آج تو دولت کی اس ریل پیل کے باوجود آبرو کی زندگی سے بھی امت مسلمہ محروم ہے اور اس کی عظمت گزشتہ کا ہلکا سا نشان بھی باقی نظر نہیں آتا۔

دنیا کمانے کا جذبہ جب انسان میں حد سے فزوں ہو جاتا ہے تو اس کا دل ہر وقت دنیا کے افکار سے ہی گھرا رہتا ہے اس سے اس کا اطمینان رخصت ہو جاتا ہے اور اگر کبھی اس کی تجارت فیل ہو گئی یا اس میں نقصان پیدا ہو گیا یا اسے اور کسی مادی خسارے سے دوچار ہونا پڑا تو راتوں کی نیند حرام ہو جاتی ہے اور غم سے نڈھال ہو کر وہ پڑ جاتا ہے۔ یہ دن رات کا مشاہدہ ہے اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

ایک حدیث میں ارشاد فرمایا گیا :-

الدنیا ملعونۃ وملعون ما فیھا الا ما کان اللہ منھا

یعنی دنیا ملعون اور دنیا کی ہر چیز ملعون ہے سوائے اس حصّہ کے جو اللہ کے لیے ہو۔
یعنی جو کام اللہ کے لیے دنیا میں رہ کر کیا جائے وہ تو مقبول ہے اس کے سوا جو کچھ بھی ہے وہ سب خیر سے خالی ہے۔

دنیا انسان کے لیے امتحان ہے اللہ تعالیٰ نے اس کو مختلف گل بوٹوں سے سجا کر.... اور اس میں عیش و تنعم کا ہر طرح کا سامان پیدا کر کے اپنے بندہ کو آزمانا چاہتا ہے کہ میرا بندہ دنیا کی ان نمائشی چیزوں کو دیکھ کر اور اس میں رہ کر مجھے یاد رکھتا ہے یا دنیا کی اس چمک دمک سے خیرہ ہو کر مجھ سے غافل ہو جاتا ہے اور میرے احکام سے آنکھ بند کر کے اور میرے مقرر کردہ ضابطۂ حیات سے بے پروا ہو کر زندگی گزارتا ہے اسی بات کو اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے :-

ان الدنیا حلوۃ خضرۃ وان اللہ مستخلفکم فیھا فناظر کیف تعملون۔

یعنی دنیا بہترین سرسبز و شاداب جگہ ہے اور اللہ اس میں تم کو پیدا کر کے دیکھنا چاہتا ہے کہ تم لوگ کیسے عمل کرتے ہو۔

ایک دوسری حدیث میں فرمایا گیا :-

الدنیا سجن للمؤمنین وجنۃ للکافرین ؟

یعنی دنیا مؤمنین کے لیے قید خانہ ہے اور کافروں کے لیے جنت ہے۔

مطلب یہ ہے کہ جس کا ایمان آخرت پر ہوتا ہے اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہاں کی زندگی چند روزہ ہے یہ گھر دار قرار نہیں، دار فرار ہے وہ اس دنیا سے اس طرح گھبراتا ہے جس طرح قیدی قید خانہ سے۔ قیدی کو قید خانہ میں آرام و راحت کا کتنا بھی سامان مہیا ہو، وہ چاہتا ہے کہ جلد از جلد یہاں سے نکلے۔ اسی طرح مومن کی یہ شان ہوتی ہے کہ وہ مطمح نظر دنیا کو نہیں آخرت کو بناتا ہے اور اس گھر میں منتقل ہونے کے لیے بے چین رہتا ہے۔ دنیا کی آرائش و زیبائش اسے بالکل نہیں بھاتی بخلاف کافر کے کہ وہ دنیا ہی کو دارِ اصلی سمجھتا ہے اس کے پیشِ نظر صرف یہی زندگی رہتی ہے اس لیے وہ یہاں رہ کر اپنے لیے زیادہ سے زیادہ

عیش وراحت کا سامان جمع کرتا ہے۔

ایک حدیث میں ارشاد فرمایا گیا کہ

"جو اس حال میں صبح کرے کہ اس کا سب سے بڑا مقصد دنیا ہی ہو تو اللہ کے یہاں اس کا کوئی مقام نہیں ہوتا اور اس کے قلب میں چار چیزیں اللہ پیدا کر دیتا ہے جو اس کے ساتھ ہمیشہ رہتی ہیں۔ "غم" جس سے اس کو کبھی چھٹکارا نہیں رہتا "مشغولیت" جس سے وہ کبھی فارغ نہیں رہتا، "فقر" کہ وہ کبھی غنا کو پہنچ ہی نہیں پاتا "امید" کہ اس کی کوئی انتہا ہی نہیں ہوتی ہے۔" (احیاء العلوم ص۱۷۶ ج ۲)

اہل دنیا کی زندگی کا جائزہ لو اور پھر دیکھو کہ جو چار چیزیں اس حدیث میں بیان کی گئی ہیں کیا ان کی زندگی اور زندگی کے شب و روز اس حدیث کی حقانیت و صداقت کا کھلا اعلان نہیں کر رہے ہیں کیا مال و دولت کی کثرت نے ان کو فکر و غم سے نجات بخش دی ہے کیا ایک ایک پیسہ کے لیے اب بھی وہ تگ و دو نہیں کر رہے ہیں کیا ان کی تمنائیں و آرزوئیں پوری ہو گئیں سکون و راحت کا کوئی لمحہ انہیں میسر ہے سچ ہے دنیا میں پڑ کر دنیا کے چکر سے نکلنا بڑا دشوار امر ہے یہاں ہر روز ایک نئی خواہش اُبھرتی اور جنم لیتی ہے کتنی بھی انسان کے پاس دولت ہو جائے وہ ایک پیسہ کے لیے ہزار طرح کی مشقت برداشت کرتا ہے اسی وجہ سے آپ نے فرمایا۔

لیس الغنی من کثرۃ العرض انما الغنی غنی النفس،

یعنی غنا مال کی کثرت کا نام نہیں ہے بلکہ اصل غنی نفس کا غنا ہے۔

حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ میں نے ایسے لوگوں کو دیکھا ہے جن کے نزدیک دنیا کی حقیقت مٹی سے زیادہ نہیں تھی۔ (احیاء العلوم ص۱۸۳ ج ۲)

حضرت سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ قلب میں جب دنیا کی محبت اور گناہ کی رغبت پیدا ہو جاتی ہے تو قلب متوحش رہتا ہے اس لیے کہ قلب میں خیر کا گزر نہیں ہو پاتا (ایضاً)

حضرت سلمان فارسی نے حضرت ابو درداء کو لکھا کہ میرے بھائی دنیا سے بچو دنیا اتنی نہ جمع کرو کہ تم سے اس کا شکر ادا نہ ہو سکے۔ (احیاء العلوم ص۲۰۰ ج ۲)

حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں کہ ایک فرشتہ یہ صدا لگاتا ہے کہ :-

"تھوڑا مال جو تمہیں کافی ہو وہ اس زیادہ سے بہتر ہے جو تم کو سرکش بنا دے"۔

(احیاء العلوم ص۲۰۷ ج ۲)

عبدالواحد بن زید فرماتے ہیں کہ حرص دو طرح کی ہوتی ہے ۔ ایک نافع اور ایک ضار۔ نافع تو وہ ہے کہ انسان اللہ کی عبادت اور اس کے احکام کی بجا آوری کا حریص ہے اور ضار وہ ہے کہ انسان دنیا کا حریص ہو جائے ۔ (جامع بیان العلم ص۱۶۱ ج ۱)

ان تفصیلات سے معلوم ہوا کہ دنیا کی حرص اور اس کی محبت اس درجہ پیدا ہو جائے کہ انسان کے دل سے آخرت کا خیال ختم ہو جائے وہ حلال و حرام کی بھی پرواہ نہ کرے، دوسروں کے حقوق پامال ہوں، دنیا کی زندگی ہی اس کی نظر میں سب کچھ ہو جائے وہ بڑا قابل ملامت انسان ہے ۔ اگر چند باتوں کا لحاظ رکھا جائے تو انسان بڑی حد تک دنیا کی حرص و طمع سے محفوظ رہ سکتا ہے۔

اوّل وہ ان آیات و احادیث میں بار بار غور کرے جن میں دنیا اور اہلِ دنیا کی مذمت ہے۔

دوم وہ اپنے انجام پر غور کرے اور یہ کہ اسے دنیا میں کتنے روز رہنا ہے اور اس دنیا سے وہ کہاں تک فائدہ اٹھا سکتا ہے ۔

سوم اللہ والوں کی زندگی کا مطالعہ کرے اور اس زندگی کا اہل دنیا کی زندگی سے موازنہ کرے تاکہ اسے معلوم ہو کہ کس کی زندگی سکون و عافیت اور آرام و چین کی زندگی ہے خاص طور پر انبیاء اور صحابہ کی حیات مبارکہ کا مطالعہ کرے ۔

چہارم اللہ کے غضب اور اسکی صفتِ قہر و جلال کو سامنے رکھے جس سے آخرت فراموشوں کو سامنا کرنا پڑے گا ۔

پنجم صبر و قناعت ، توکل اور زہد فی الدنیا کے فضائل پر غور کرے ۔

ششم وہ دیکھے کہ عام طور پر اہلِ دنیا میں خطرناک اخلاقی امراض پیدا ہو جاتے ہیں مثلاً حسد، کینہ، ظلم ، بخل وغیرہ اور پھر ان امراض کے نقصانات پر غور کرے ۔

ان چند امور کا لحاظ کرنا انشاء اللہ دنیا کی حرص و طمع سے نجات دلانے کیلئے کافی ہوگا ۔

فلم ایک مہلک تفریح

عصرِ حاضر میں انسان نے اپنے باطن، اپنی روح اور روحانیت کو جس قدر نظر انداز کیا ہے، اتنا کبھی نہیں کیا تھا۔ نہ جانے کتنی ایسی رُوح کش چیزیں انسان نے خود اپنے ہاتھوں بنا ڈالیں جن سے اس کی روحانیت تباہ ہو کر رہ گئی ہے یا تباہی کے کنارے جا پہنچی ہے، ان میں جس قدر مضرت رساں "فلم" ہے۔ شاید ہی کوئی اور چیز اس درجہ نقصان دِہ ہو۔ فلم نفس پرستی، خدا بیزاری، فحاشی و عریانی، بے دینی و الحاد، شیطنت و درندگی کی صورت ہماری نظریاتی حدود پر نقب لگا رہی ہے اور اہلِ بصیرت کی نظر میں ہلاکت خیز تفریح کا درجہ رکھتی ہے۔ اس مہلک تفریح کا اثر جو انسان پر پڑا ہے وہ یہ کہ آج کی فلم بے حیائی اور بے غیرتی کے تمام لوازمات کے ساتھ انسان کے اخلاق پر حملہ آور ہوئی ہے اور جس کی وجہ سے اعلیٰ انسانی اقدار کا جنازہ ہی نکل گیا ہے۔

خدا نے نسلِ انسانی کے تحفظ اور ایک اچھے معاشرے کے قیام و بقاء کے لیے دو جذبے ایسے رکھے ہیں کہ اگر وہ جذبات ودیعت نہ کیے جاتے تو انسانیت کبھی کی مٹ چکی ہوتی۔ میری مراد یہاں حیاء اور غیرت سے ہے۔ اور یہ جذبات مرد و زن کی پہچان ہیں۔ یعنی عورت پر صفت حیا کا غلبہ رہتا ہے اور غیرت مردانگی کی علامت سمجھی جاتی ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اگر یہ جذبات دب جائیں، ختم ہو جائیں یا مضمحل ہو جائیں تو انسانیت کی بقا مجروح ہو جائے۔ مگر افسوس کہ آج کی فلم کا پہلا حملہ ہی انسان کی حیا اور غیرت کو نشانہ بنائے ہوئے ہے۔ تاثر و انفعال کے فطری جذبہ کے تحت بے حیائی اور بے غیرتی کے عام مشاہدے کے بعد ناظرین کی غیرت کا جنازہ

نکل رہا ہے اور وہ بے غیرتی اور بے حیائی کو اپنی ذات سے الگ تصوّر نہیں کرتے۔

جب دن میں وی۔سی۔آر کے طفیل کئی کئی گھنٹے عورتیں بے پردہ خواتین کا مشاہدہ کرتی ہیں ان کے ناچ گانے، بیہودہ اور فحش ادائیں اور اخلاق سے گری ہوئی حرکات دیکھتی ہیں۔ بڑی بڑی خوبصورت تصاویر کے ساتھ ان فن کاراؤں پر تحسین و آفرین سے پُر ایجے حسن و نزاکت پر تبصرے کرتی ہیں تو اپنی ناقص العقلی کے باعث لامحالہ ان سے متاثر بھی ہوتی ہیں۔ نوجوان لڑکیاں جب فن کاراؤں کی تنگ لباسی، کم لباسی اور بسا اوقات بے لباس دیکھتی ہیں تو انہیں تمام تر خاندانی شرافت کے باوجود جسم پر چڑھا ہوا برقعہ بوجھ محسوس ہونے لگتا ہے۔ دوپٹہ اور ڈھیلا ڈھالا لباس کاٹنے کو دوڑتا ہے اوڑھنی سرک کر کندھے پر اور بسا اوقات پرس میں جا پہنچتی ہے۔ معقول شرعی اور شریفانہ لباس جسم کے نشیب و فراز کے عین مطابق بلکہ اکثر اوقات ان سے بھی تنگ ہو جاتا ہے۔ قمیضوں کے تنگ گلے آہستہ آہستہ کھلنے لگتے ہیں۔ پوری آستین آہستہ آہستہ آدھی ہو کر بغل تک پہنچ کر غائب ہو جاتی ہے اور یہ سب ہے اس ہلاکت خیز تفریح کا نتیجۂ بے مراد جس کے نتیجے میں کبھی کسی کی ماں روتی دھوتی نظر آتی ہے تو کبھی کسی کا باپ کہ اولاد ہاتھوں سے نکل گئی ہے کہنے میں نہیں آتی۔ مگر اولاد کو جس طرح کی تفریح فراہم کی جائے گی۔ اس طرح کے ردعمل کی ان سے توقع کی جا سکتی ہے۔ کیونکہ ہر ناظر اپنے ظرف کے مطابق اثر قبول کرتا ہے اور کر رہا ہے۔

اسی طرح جب مرد بھی فلموں کے ذریعے بار بار دوسرے مردوں کی بے غیرتی کا مشاہدہ کرتے ہیں اور ان کی اعلیٰ ظرفی، کشادہ دلی اور وسعتِ قلب کو دیکھتے ہیں کہ کس طرح ایک مرد اپنی بیوی اور بہن کا تعارف دوسرے قطعی نامحرم مَردوں سے کراتا ہے اور کس طرح انہیں تنہائی میں ملتے دیکھ کر بھی خوش ہوتا ہے بلکہ بسا اوقات خود بھی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کی بہن یا بیوی اس کے دوستوں سے ہنسے بولے تو اس وقت اس ناظر بے چارے کو اپنی بیوی، اور بہن پہ بہت ترس آتا ہے۔ وہ اسے ایک قید خانے میں مقید معلوم ہوتی ہے۔ وہ دل ہی دل میں شرمندہ ہوتا ہے کہ اس نے

کیوں اپنی بیوی اور بہن کو اتنی چھوٹ نہیں دی - وہ اتنا "تنگ دل" اور "کم ظرف" کیوں ہے؟ وہ کیوں ان لوگوں کے ساتھ اس قدر ظلم وستم کا معاملہ کر رہا ہے - اسی پر بس نہیں بلکہ آج کی فلم سے ہمارے ملک کے نوجوان لڑکے اور لڑکیاں بری طرح بے غیرتی اور بے حیائی کا شکار ہو رہی ہیں - وہ اس طرح کے فلم کے ذریعے عشق و محبت کے آداب سیکھتے جاتے ہیں - یہ ناپختہ ذہن انتہائی جذباتی عمر میں جب فلم میں مرد و عورت کو آزادانہ عشق لڑاتے ہوئے دیکھتے ہیں تو ان کے ذہن بھی بگڑنے لگتے ہیں اور ان کے دل میں بھی یہ خواہش جنم لینے لگتی ہے کہ وہ بھی کسی سے عشق کریں اور انکی ایسی ہی خوبصورت محبوبہ ہو جسے وہ ہیروئن کا نام دیں یا ایسا ہی خوبصورت اور گھبرو جوان ان کا محبوب ہو - گویا رفتہ رفتہ ان معصوم ذہنوں میں اولاً عاشقانہ اور پھر سفلانہ جذبات ابھرنے لگتے ہیں - جس کے نتیجہ میں اخلاقیات مفقود ہو جاتی ہے - بزرگوں کی روک ٹوک، دقیانوسیت اور قید کا روپ دھار لیتی ہے - اور نتیجۃً بے حیائی اور فحاشی پروان چڑھنے لگتی ہے -

مگر اے معزز قارئینِ انوارِ مدینہ ! ہم یہ کیوں نہیں سمجھتے کہ ہماری نظریاتی حدود اتنی محدود اور گھٹیا تو نہیں تھیں جتنا ہم نے ان کو بگاڑ دیا ہے - یہ سب کچھ تو اس وقت ہونا چاہیئے تھا جب مسلمان انگریز کا غلام تھا - یہ سب کچھ تو اس وقت ہونا چاہیئے تھا جب مسلمان ہندوؤں کی فضول رسومات میں گھرا ہوا تھا - یہ سب کچھ تو اس وقت ہونا چاہیئے تھا جب مسلمان کے ہاتھ تخت و تاج آئے تھے - (مگر وہ مسلمان کتنا عظیم تھا جس کے لیے خزانوں کے مُنہ کھُل گئے تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیا کہ مجھے خدا کی رضا کے سوا کچھ نہیں چاہیئے -)

مگر افسوس کہ آج پاکستان کی "اسلامی" نظریاتی مملکت سے نشر ہونے والی فلم اہل معاشرہ کے دِل و دماغ پر ہتھوڑے کی طرح ضربیں لگا رہی ہے جس سے ایک طرف اہلِ معاشرہ کے دِل و دماغ بری طرح متاثر ہو رہے ہیں تو دوسری طرف اسلام آباد کی سڑکوں پر بوس و کنار کے مناظر عام نظر آتے ہیں جس سے ایک طرف بے حیائی اور

فحاشی کی پیٹھ تھپکی جارہی ہے تو دوسری طرف تین معصوم جانیں ہیرو بننے کے چکر میں بھارت کے بارڈر پر پکڑی جاتی ہیں جس سے ایک طرف بے دینی و الحاد کو ہوا دی جا رہی ہے تو دوسری طرف شیطانیت اور درندگی کو اس انداز سے اجاگر کیا جارہا ہے کہ جس کی بھیانک مثال ہمیں کبھی اسلام پورہ میں نظر آتی ہے تو کبھی شیخوپورہ میں۔

تو معزز قارئین ہمیں چاہیئے کہ آئندہ تمام تر ذمہ داریاں سنبھالنے والی معصوم نسل کو اپنی آج کی فلم کے بدترین مالیخولیا کا شکار ہونے سے بچالیا جائے۔ کوئی بھی درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے اور آج کی فلم کے مضرات کو جان لینے کے بعد ہر وہ شخص جس کے ضمیر میں ادنیٰ سی بھی زندگی کی رمق باقی ہے اور وہ ذرّہ برابر بھی خوفِ خُدا رکھتا ہے۔ اس بات کو بے ساختہ تسلیم کرلے کہ آج کی فلم نہ صرف بری طرح ہماری نظریاتی حدود میں رخنہ اندازی کر رہی ہے بلکہ کسی طرح بھی اس قابل نہیں کہ اسے حلال قرار دیا جا سکے۔

ماہنامہ
انوارِ مدینہ
لاہور

اِس دینی رسالہ سے آپکا تعاون آپ کے اجر اور اسکے استحکام، بقاء، اور ترقی کا باعث ہوگا۔

★ اِس کے خریدار بنیئے اور دوسروں کو خریدار بنائیے۔
★ اِس میں اشتہار دیجئے اور دوسروں سے دلوائیے۔
★ اِس کے لیے مضامین لکھیئے اور اپنے مضمون نگار دوستوں کو اس کیلئے مضمون لکھنے کی ترغیب دیجئے۔

"انوارِ مدینہ" میں

اشتہار

دے کر اپنی تجارت کو فروغ دیجئے

اتّحاد و اتّفاق کی برکات

اتفاق اور اتحاد کی اہمیت و سُود مندی پُوری دُنیا کے نزدیک مسلّم ہے۔ اسلام جو دینِ فطرت ہے اُس نے اتفاق پر بہت زور دیا ہے اور اس درجہ زور دیا جس کی مثال دُنیا کے کسی اور مذہب اور کتاب میں نہیں مِل سکتی۔ نہ صرف زور دیا بلکہ اس کے خلاف تمام محرکات و عوامل سے بھی روک دیا اور ایسی صورتیں پیدا کیں کہ جمعیّت مسلمین کبھی انتشار سے ہمکنار نہ ہو سکے۔ اسے مذہبی معاملہ اور اساس دِین کی حیثیت عطا کی اور اس کے خلاف اقدام کو گناہ بتایا۔ حکم دیا جا رہا ہے:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا

تم سب مِل کر اللہ کی رسّی مضبُوطی کے ساتھ پکڑے رہو اور باہم تفرق پیدا نہ ہونے دو۔

قرآنِ کریم کی یہ خصوصیت بھی ہے کہ وہ جو حکم دیتا ہے اس کی عِلّت بھی بیان کر دیتا ہے:

وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ۔

مسلمانو! باہم متحد رہو۔ باہم جھگڑے پیدا نہ کرو، ورنہ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ تم کمزور اور بُزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہَوا اُکھڑ جائے گی۔

اس سے زیادہ خُوبی اور حقیقت طرازی کے ساتھ اتحاد کی سُود مندی پر اَور کیا کہا جا سکتا تھا۔ کہا ہے اور وہ کہا ہے جس کے مظاہر ساری دُنیا کے سامنے ہیں اور جن کی صداقتوں سے دُنیا کا کوئی انسان بھی جرأتِ انکار نہیں کر سکتا۔ کون نہیں جانتا کہ کسی قوم کی کمزوری اس کا افتراق ہے اور اس کی طاقت اس کا اتحاد ہے اور جب کسی قوم میں افتراق اور تشدّد پیدا ہوتا ہے تو اس کی ہَوا اُکھڑ جاتی ہے، بھرم کُھل جاتا ہے اور ہمتیں پست ہو جاتی ہیں۔

صحابۂ کرامؓ سے فرمایا گیا

وَلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاۗءً فَاَلَّفَ

بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا

باہم تفرق اور پھوٹ پیدا نہ کرو اور اللہ کے اس احسان کو یاد کرو کہ اسلام لانے سے پیشتر تمہاری حالت کتنی بدتر تھی۔ تمہارے اندر کتنا افتراق پھیلا ہوا تھا۔ تم پر شدید باہمی عداوتیں مسلّط تھیں۔ خدا نے تم پر بڑا فضل کیا، تمہارے دلوں میں محبت پیدا کر دی اور تم باہم عداوتیں بھول کر بھائی بھائی بن گئے، حالانکہ تمہاری یہ حالت تھی کہ گویا تم آگ کے کنارے کھڑے ہوئے تھے۔ خدا ہی نے تمہیں اس میں گرنے سے بچا لیا۔

ارشاد ہے:

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ كَفَرُوا وَاخْتَلَفُوا۔

مُسلمانو! دیکھو کہیں تم بھی ان قوموں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے ہماری ہدایت کے باوجود باہم نفرت اور جھگڑے پیدا کیے۔

نااتفاقی وہ بُری چیز ہے کہ یہی نہیں کہ دُنیا میں اس کی وجہ سے تباہی آئے گی بلکہ قیامت میں بھی اس پر عذاب دیا جائے گا۔

افسوس مُسلمان خود کو بالکل بھول چکے ہیں۔ ان کے لیے اپنوں کی اطاعت ننگ و عار ہے اور غیروں کی اطاعت کو طرۂ افتخار سمجھتے ہیں۔ نااتفاقی کا یہ عالم ہے کہ قوم میں افتراق خاندانوں میں افتراق، گھر میں افتراق، ہر شخص اپنی کہتا اور اپنی چاہتا ہے۔ بیٹا باپ کی نہیں سُنتا، بیوی شوہر کی نہیں مانتی۔ قوم لیڈر کی نہیں مانتی۔ اگر قوم کا لیڈر آواز بلند کرتا ہے اپنی قوم کے لیے تو خود قوم ہی میں اس کا مضحکہ اڑانے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ حضور نبی کریمؐ نے مُسلمانوں کو پہلے ہی روز بتا دیا تھا کہ تم میں سے ہرگز اس وقت تک کوئی مومن کامل نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لیے بھی وہی نہ چاہے جو اپنے لیے چاہتا ہے۔ کامل مسلمان وہی ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں۔ اللہ تعالیٰ اسی بندے کی مدد کرے گا۔ قرآنِ حکیم نے زور دیا ہے کہ خدا کی رسّی مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہو۔

لیکن یہاں کیا ہو رہا ہے؟ ایک دوسرے کی آبرو کے درپے ہے۔ ہر شخص اپنی غرض اور اپنے ہی مفاد کا بندہ بنا ہوا ہے۔ بدگوئی اور تحقیرِ مُسلم عام ہے۔ کتنی جماعتیں بنی ہوئی ہیں۔ پھر

ان تمام جماعتوں میں بھی باہم افتراق ہے۔ ایک مسلمان دوسرے مُسلمان کی پگڑی اچھالنے کیلئے تہیّہ کیے ہُوئے ہے۔ کسی کو خدا کا خوف نہیں (کسی ہندو جلسہ میں کسی ہندو لیڈر کی تحقیر نہ کی جائیگی، لیکن مُسلم جرائد میں غیر ممکن ہے کہ کسی لیڈر کے خلاف زہر چکانی نہ ہو۔ یہاں جب کوئی جلسہ ہوگا تو پہلے کسی مسلم لیڈر کے خلاف برسیں گے)

کبھی مُسلمان کی شان اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ تھی لیکن اب تو ہم کیا، دُنیا دیکھ رہی ہے کہ بالخصوص مُسلمان رُحَمَآءُ عَلَی الْکُفَّارِ وَاَشِدَّآءُ بَیْنَھُمْ بن کر رہ گئے ہیں۔ یاد رکھیئے زمانہ بے حد نازک ہے۔ حالات بڑی نزاکت اختیار کر چکے ہیں۔

اخوّت مُسلمین کا شاندار نظام

قرآن کے نزول سے پیشتر انسانیت صدہزار مصائب میں مبتلا تھی اور رنگ و نسل، خاندان و دولت کے بے شمار اختلافات موجود تھے۔ قرآنِ حکیم نے بالکل نئی اور جدید قوم پیدا کی جس کی بنیادیں توحید و رسالتؐ کی اساس پر استوار کیں اور اس کا کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ قرار دیا۔ اس اسلامی قومیت میں ہر قوم اور ہر مذہب کا آدمی شامل ہو سکتا ہے۔ اس کے اندر بہت سی خُوبیاں اور دِلفریبیاں ہیں۔ اس پُوری قوم کا ایک خدا اور ایک رسولؐ، ایک کلمہ اور ایک ہی کعبہ ہے۔ اس میں شامل شاہ و گدا، آقا و غلام، حاکم و محکوم سب بھائی بھائی بن جاتے ہیں۔ باہم شادیاں ہو سکتی ہیں۔ ایک دوسرے کی جان و مال اور آبرو کا تحفّظ فرض اور اس پر حملہ حرام ہے اور اقوام کی طرح اس میں رنگ نسل اور دولت کے مدارج کے اعتبار سے کسی کو کوئی امتیاز حاصل نہیں ہوتا۔ یہاں امتیاز ہوتا ہے تو وہ عمل و اتّقا کا امتیاز ہوتا ہے جو جس درجہ متّقی ہوتا ہے اس قدر اس کی عزّت ہوتی ہے اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ۔

اس میں شامل ہو کر غلام بھی آقائی و امامت کر سکتے ہیں اور تختِ شاہی تک پہنچ سکتے ہیں۔ حضرت بلالؓ ایک حبشی زادہ کالے کلوٹے زندگی غلامی کے آغوش میں بسر کی۔ اسلام میں بھی کوئی دولت پاس نہ تھی۔ اولاد بھی زیادہ نہ تھی۔ عام طور سے ایک بہت معمولی انسان تھے۔ کسی قبیلہ اور خاندان کی پُشت پناہی بھی حاصل نہ تھی، اس کے باوجود عمل و اتقا کی وجہ سے یہ عالم تھا کہ حضرت عمر فاروقؓ جیسے جلیل القدر صحابی اور عظیم الصولت خلیفہ انہیں آقا کہہ کر پکارتے

رہے۔ تمام مسلمانوں کی آنکھوں کا تارا بنے رہے۔

حضرت صہیبؓ بھی غلام تھے، رومی تھے، غریب آدمی تھے، لوہاری پیشہ تھا، کوئی عزت نہ تھی۔ اسلامی برادری میں شامل کیا ہوئے دُنیا بدل گئی۔ حضرت عمرؓ شہید ہوتے ہیں۔ بڑے بڑے صحابہؓ موجود ہیں، لیکن مسلمانوں کی امامت کے لیے نامزد ہوتے ہیں۔ کون؟ حضرت صہیبؓ، بعد کی صدیوں میں اسلامی غلاموں نے عظیم الشان سلطنتیں قائم کیں اور نہایت طنطنہ و دینداری کے ساتھ فرمانروائی کی۔ چونکہ دینِ اسلام میں ہر طبقہ اور ہر پیشہ و درجہ کے انسان شامل ہو سکتے تھے شرافت و ذلت کی کوئی پابندی نہ تھی، اس لیے کسی کے حسب پر طعن کسی کے پیشہ پر تشنیع اور کسی کی تحقیر حرام قرار دی گئی۔ یہ ضرور ہے کہ اُونچے اور بلند خاندانوں میں نمایاں طور پر شریفانہ خصائل فطری ہوتے ہیں اور ادنیٰ خاندانوں کے افراد میں خاندانی کمزوریاں پائی جاتی ہیں۔ یہ حقیقت ہے جس سے انکار نہیں ہو سکتا، لیکن اسلامی قومیت کے تو اصول ہی نرالے ہیں اس میں شامل ہو کر انسان اپنی مرضی اپنے طریق اور اپنی رسوم کا تو پابند ہی نہ تھا یہاں تو قرآن کو اپنا دستور العمل بنانا پڑتا تھا۔ ہر قدم قرآن کی روشنی میں اُٹھانا پڑتا تھا۔ اس طرح خاندانی رذائل کسی میں باقی ہی نہ رہتے تھے۔

ادنیٰ خاندانوں میں بالعموم تنگدلی، بدتمیزی اور سفلہ پن پایا جاتا ہے۔ گالیاں بکتے ہیں، زبان ٹھیک نہیں ہوتی، صفائی کا کوئی معیار نہیں ہوتا، گفتگو کے آداب نہیں جانتے، نشست و برخاست کے آئین سے ناواقف ہوتے ہیں، مروّت نہیں پائی جاتی۔ اسلام، عیسائیت، ہندوئیت اور دیگر مذاہب کی طرح چند اصول و عقائد کا مجموعہ تو ہے نہیں۔ قرآن تو پورا ضابطۂ حیات ہے۔ اگرچہ یہ مختصر اور اصولی کتاب ہے، مگر انتہائی حد تک جامع ہے۔ اس میں سب و شتم اور گالی گلوچ حرام ہے۔ گفتگو کے آداب بھی بتا دیئے گئے قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا قُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا قُوْلُوْا قَوْلًا کَرِیْمًا۔ نشست و برخاست کے طریقے بھی یہی ہیں۔ تنگدلی اور بخل حرام ہے۔ صفائی اور پاکیزگی فرض ہے۔ قرآن پر جو مسلمان بھی عمل کرے وہ کتنا ہی گیا گزرا کیوں نہ ہو، انتہائی مہذّب بن سکتا ہے، اس لیے کہ یہاں محاسن و آداب کی ترغیب اور حُکم کے ساتھ ہی ان سے غفلت برتنے اور بدتمیزی سے کام لینے پر سخت سے سخت عذاب کی وعید موجود ہے اور آج مسلمانوں میں خدا کا خوف باقی

نہیں رہا، اس لیے ادنیٰ خاندانوں میں خاندانی عیوب باقی رہ جاتے ہیں اور ادنیٰ تو ادنیٰ اب تو بڑے خاندان بھی اس سے نہیں بچے۔ اسلاف خدا کے خوف سے لرزتے رہتے تھے۔ قرآن پر پورا عمل کرتے تھے، اس لیے ان میں رذائل باقی نہیں رہتے تھے۔ عربوں میں غلاموں سے بدتر اور کون سی مخلوق تھی اور غلاموں ہی پر کیا موقوف تھا۔ خود عرب کے بڑے بڑے خاندان بھی رذائل میں لتھڑے ہوئے تھے۔ حضرت بلالؓ، صہیبؓ، سلمانؓ اور عمارؓ غلام تھے۔ اصحابِ صفہ میں بھی انتہائی مفلس اور ادنیٰ درجہ کے افراد شامل تھے، لیکن اسلامی برادری میں شامل ہوئے اور قرآن پر جو عمل کیا تو فرشتے بن گئے۔

آج تمام صحابۂ کرامؓ کی سیرتیں موجود ہیں، انہیں پڑھیئے، عہدِ حاضر کا کوئی مہذب سے مہذب انسان بھی ان کے اخلاق کی گرد کو نہیں پہنچ سکتا۔ جو سیر چشمی مروّت پابندیٔ عہد و وضعداری، شرافتیں اور خوبیاں ان میں موجود تھیں جو درد و تقدس ان کے اندر موجود تھا وہ کسی اور میں کہاں؟ قرآنِ حکیم آج بھی موجود ہے، جب اور جو اس پر عمل کرے گا فائدے میں رہے گا۔

مصالحت مسلمین اور قرآن

یہ قومیت آج تک قائم ہے اور قیامت تک قائم رہے گی۔ قرآن نے بتایا تھا کہ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ مسلمان باہم بھائی بھائی ہیں اگر اتفاق سے ان میں کوئی جھگڑا پیدا ہو جائے تو صلح کرا دیا کرو اور خدا سے ڈرتے رہو تاکہ تم فلاح پاتے رہو۔ افسوس یہ ہے کہ اس دیس میں پہنچ کر مسلمان برادرانہ محبت ہی سے بیگانہ ہو گئے۔ آج بھائی بھائی کہنے اور بتانے میں کوئی خاص کشش باقی نہیں رہی کہ مسلم بھائیوں میں اتفاق کم ہی نظر آتا ہے۔ عرب جاہل تھے، بداعمال تھے، سب کچھ تھے، مگر ان کے نزدیک جو بھائی تھا وہ کوئی نہ تھا۔ حقیقی بھائی تو ایک طرف رشتہ کے بھائیوں کو بھی انتہائی اہمیت دی جاتی تھی اور ایک بھائی دوسرے بھائی کے لیے ہمہ وقت کٹنے اور مرنے اور قربان ہونے کو تیار رہتا تھا اور اس سے عاشقانہ محبت رکھتا تھا۔ کتنے ہی بُرے تھے مگر بھائیوں کو سب سے افضل سمجھتے تھے۔ سگے اور سوتیلے کی بھی عرب میں کوئی تخصیص نہ تھی، کیونکہ یہ رشتہ اصولاً ہی بہت اہم ہے اور عربوں میں اسے بیحد اہمیت حاصل تھی، اس لیے قرآن نے انہیں بتایا کہ بھائی وہی نہیں جو باپ کے صلب

یا ماں کے بطن سے ہو، تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں اور جو محبت و قربانی تم ایک حقیقی بھائی کے ساتھ کرتے ہو وہی ہر مسلمان کے ساتھ روا رکھو اور وہی حقوق سمجھو اور ان میں کوئی جھگڑا کبھی پیدا ہو جائے تو سب مل کر صلح کرا دیا کرو اس لیے کہ بھائی قوتِ بازو ہیں اور ان کی لڑائی اپنی لڑائی اور ان کی کمزوری اپنی کمزوری ہے اور اسلامی ضعف ہے۔ آیت کا اگلا ٹکڑا واتقوا اللہ واضح کر رہا ہے کہ اس معاملہ میں خدا سے ڈرتے رہو اگر ایسا نہ کرو گے تو عتابِ ایزدی کا شکار ہو جاؤ گے۔ اگر صلح کرا دو گے، جھگڑا مٹا دو گے تو تمہیں سب کو فلاح حاصل ہو گی، کیونکہ اس طرح مسلمانوں میں افتراق کی لعنت پھیلنے نہ پائے گی۔

انتہائی افسوسناک امر یہ ہے کہ آج صلح کرانے کا دستور ہی اٹھ گیا ہے۔ عداوتیں عام ہو گئی ہیں مسلمانوں میں باہم صلح کرا دینا تو درکنار دو بھائیوں اور دو خاندانوں میں بھی کوئی مصالحت کی سعی نہیں کراتا۔ مزید افسوس اس امر کا ہے کہ ضعفِ ایمانی کی بدولت مسلمانوں کو صلح کرانے کا احساس تک نہیں ہوتا۔ کوئی پروا بھی نہیں کرتا۔ لڑنے والوں میں کدورت بڑھانے اور جلتی آگ پر تیل ڈالنے والے تو بہت ہیں اور ہزاروں مل جائیں گے، صلح کرانے والا کوئی نہ ہو گا۔ غیر مسلموں میں اسلام کی یہ خو موجود ہے، ان لوگوں میں اتفاق ہے۔ بھائی بھائی مل کر ہزاروں لاکھوں کا کاروبار کر رہے ہیں اور کبھی ان میں نفاق پیدا نہیں ہوتا۔ خاندان کا خاندان مل کر رہتا ہے، ان کے بھائیوں اور خاندانوں میں افتراق بھی پیدا ہوتا ہے تو لوگ درمیان میں پڑ کر صلح کرا دیتے ہیں اور وہ اسے گوارا نہیں کرتے کہ دو بھائی یا دو خاندان لڑتے رہیں۔ مسلمان تو اسلامی تعلیم کو ترک کرتے جا رہے ہیں اور اغیار، قرآنی تعلیم پر عامل ہیں۔ باہمی محبت، باہمی تعاون، برادر نوازی، اتفاق اور تجارت کا شوق جو اسلامی چیزیں تھیں سب اغیار میں موجود ہیں اور وہ انہی پر کاربند ہو کر ترقی کر رہے ہیں اور عیشِ حیات اٹھا رہے ہیں اور مسلمان انہیں چھوڑ کر ذلیل و خوار ہیں وہ جب تک قرآن پر عمل شروع نہ کریں گے کبھی ترقی نہ کر سکیں گے۔

جمعیۃ العلماء کیا ہے؟

بحکم

شیخ الاسلام حضرۃ مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ

مرتبہ

حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ

محدث، فقیہ، مؤرخ، مجاہد فی سبیل اللہ، مؤلف کتب کثیرہ

شعبۂ نشر و اشاعت

جمعیۃ علماء اسلام پاکستان

ملنے کا پتہ: مکتبہ محمودیہ، جامعہ مدنیہ، کریم پارک، لاہور

بقیہ : تاثیرات القرآن

بلاناغہ چالیس دن تک یہی عمل کریں - آیات یہ ہیں - فلما القوا قال موسیٰ ما جئتم به السحر- ان الله سيبطله ان الله لا يصلح عمل المفسدين - و يحق الله الحق بكلماته ولوكره المجرمون -فوقع الحق و بطل ما كانوا يعملون - فغلبوا هنالك وانقلبوا صاغرين - والقى السحرة ساجدين - قالوا آمنا برب العلمين-رب موسىٰ وهارون - انما صنعوا كيد ساحر- ولا يفلح الساحر حيث اتى -

یہ عمل اتوار کے دن سے شروع کیا جائے - جاڑے میں دوپہر کو نہلانا بہتر ہوگا-

بقیہ : حضرت عباس رضی اللہ عنہ

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی ذات بڑی باعث برکت و رحمت تھی -جب تک آپ حیات تھے فتنے ظاہر نہیں ہوئے -آپ کی وفات کے بعد ہی خلیفۂ راشد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف ہنگامے شروع ہوئے اور امت طرح طرح کی پریشانیوں سے دوچار ہوئی-

تو رسولِ اکرم کا احترام آپ کے عزیزوں اور رشتہ داروں کا احترام آپ کے رفقاء کا احترام ہر مسلمان کے لیے بیحد ضروری ہے-

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق عطاء فرمائے - آمین-

ضروری نوٹ

ہماری طرح قارئینِ کرام بھی زیرِ نظر رسالہ میں کئی طرح کی خامیاں محسوس کر رہے ہونگے ______ ہم جملہ خامیوں کے ازالہ کی بھرپور کوشش کر رہے ہیں - اور انشاء اللہ تعالیٰ ایک دو اشاعتوں کے بعد قارئین کرام کو کوئی خاص شکایت نہ رہے گی-